10/-

اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام

اردو کی ابتدائی نشوونما
میں
صوفیائے کرام کا حصہ

مولوی عبدالحق

فہرست مضامین

سلسلہ نمبر	مضمون	صفحہ
۱	صوفی اور اس کی حیثیت	۱
۲	مسلمان درویشوں کی آمد ہندوستان میں	۵
۳	ہندوستانی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنانے کی ضرورت	۵
۴	مشاہیر اولیا کا ہندوستانی میں اظہار خیال کرنے کی ایک معتبر شہادت	۶
۵	حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح	۷
۶	حضرت فریدالدین شکر گنج رح	۸
۷	حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری	۱۳
۸	حضرت بوعلی قلندر	۱۵
۹	امیر خسرو	۱۶
۱۰	شیخ سراج الدین عثمان	۱۹
۱۱	شیخ شرف الدین یحیی منیری	۱۹
۱۲	حضرت شاہ برہان الدین غریب	۲۰
۱۳	حضرت گیسودراز بندہ نواز	۲۲
۱۴	حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم	۲۷
۱۵	حضرت سید محمد جونپوری	۳۱
۱۶	شیخ بہاء الدین باجن	۳۳
۱۷	شیخ عبدالقدوس گنگوہی	۳۵
۱۸	حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری	۳۶
۱۹	شیخ وجیہہ الدین احمد علوی	۳۷
۲۰	شیخ بہاء الدین برناوی	۳۸
۲۱	سید شاہ ہاشم حسنی العلوی	۳۹
۲۲	شمس العشاق شاہ میراں جی	۴۸
۲۳	شاہ برہان الدین جانم	۶۳
۲۴	شاہ امین الدین اعلی	۷۰
۲۵	سید میراں حسینی	۷۳
۲۶	شاہ علی محمد جیو گام دھنی	۷۶
۲۷	میاں خوب محمد چشتی	۷۹
۲۸	بابا شاہ حسینی	۸۳
۲۹	گجراتی اور دکنی کا فرق	۸۵
۳۰	صوفیا کے کلام و تصانیف کی حیثیت اور ان کا کام	۸۹
۳۱	خاتمہ بر تذکرہ حضرت کبیر	۹۳ تا ۹۷

اردو کی ابتدائی نشو و نما

میں

صوفیاے کرام کا کام

صوفی صوف سے مشتق ہو یا صفا سے، وہ مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہر داری کو، جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں، روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ دیکھتا ہے اور یہ معنی کو۔ وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار ہے۔ اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو

ڈھونڈھ نکالتا ہے - وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے - وہ سختی اور تشدد کرتا ہے اور یہ نرمی اور ملائمت - وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اِس کا شیوہ درگذر کرنا ہے - وہ خودی اور خود نمائی سے بڑا بنتا ہے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے - وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور یہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے - وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے —

مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے لیکن صوفی ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے اُسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے - اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اصول کے ترک کرنے میں بھی مضایقہ نہیں کرتا - اس کی نظر انجام پر رہتی ہے - وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنی کو دیکھتا ہے - اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے اور باوجودیکہ وہ دنیا سے ایک گونہ بے تعلق اور مولوی اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ دنیا دار ہوتا ہے

مگر وہ علماء کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے - وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہ تک پہنچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں ' جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے - مولوی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی - اسی میں صوفی کی جیت ہے - اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی ' خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی - اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھہ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی خواہ شرعي ہو یا غیر شرعی پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کے رکھہ دیتا ہے - اور صحیح بھی ہے ' جب دل ہاتھہ میں آگیا تو گویا سب کچھہ مل گیا - کسی دل کا ہاتھہ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے - یہ جو مشہور ہے کہ " دل بدست آور کہ حج اکبر است " یہ صوفی ہی کا قول ہے اور صوفی ہی اس پر عمل کر سکتا ہے -

حضرت رابعہ بصری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک بار فرمایا "اگر در ہوا پری مگسی ' اگر بر دریا روی خسی ' اگر دل بدست آری کسی" -

پیر استاد ہری کا ایک قول منقول ہے "نماز گزاردن کار بیوہ زناں است ' روزہ داشتن صرفۂ ناں است - حج کردن کار بیکاراں است ' دلے دریاب کہ کار آنست"* -

یہی وجہ ہے کہ علما و امرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گذرتے ہیں - بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے اور فقیر کا دربار عام ہے جہاں بڑے چھوٹے ' امیر غریب ' عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا - بادشاہ جان و مال کا مالک ہے - لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے اور اس لیے اُن کا اثر محدود ہوتا ہے اور اِن کا بے پایان - اور یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ بڑے بڑے جبّار

---

* قلمی نسخہ سرورالصدور صفحہ (۲۲۰) کتب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر ' حبیب گنج —

اور با جبروت بادشاہوں کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا —

مسلمان درویش ہندوستان میں پر خطر اور دشوار گزار رستوں ، سر بفلک پہاڑوں اور لق و دق بیابانوں کو طے کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے مخالف تھی - جہاں کی آب و ہوا ، رسم و رواج ، صورت شکل ، آداب و اطوار ، لباس ، بات چیت غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو - لیکن حال یہ ہے کہ انھیں مرے صدھا سال گذر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگان خدا صبح و شام ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر اُن کے قدم پڑے تھے وہ اب تک " شریف " اور " مقدس " کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں - یہ کیا بات تھی ؟ بات یہ تھی کہ ان کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ امرا و سلاطین کے پاس ہے اور نہ علما و حکما کے پاس —

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لیے سب سے

پہلے ہمزبانی لازم ہے - ہمزبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے - درویش کا تکیہ سب کے لیے کھلا تھا - بلا امتیاز ہر قوم و ملت کے لوگ ان کے پاس آتے اور ان کي زيارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے - عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی - خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے - اس لئے تلقین کے لیے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں - چنانچہ جتنے اولیا اللہ سر زمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوے وہ باوجود عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے - یہ بڑا گُر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے - ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل شارح اکھروتی (تصنیف ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ) کے قول سے بھی ہوتی ہے جس کا اظہار انھوں نے کتاب کے خاتمہ پر کیا ہے - وہ یہ ہے :-

" و توہم نہ کند کہ اولیاء اللہ بغیر از
زبان عربی تکلم نہ کردہ ' زیرا کہ جملہ
اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص بودہ -

پس بہر ملکے کہ بودہ زبان آں ملک را بکار بردہ اند۔ و گمان نکند کہ ' ہیچ اولیاء اللہ بہ زبان ہندی تکلم کردہ زیرا کہ اول از جمیع اولیاء اللہ قطب الاقطاب خواجہ بزرگ معین الحق و الملۃ والدین قدس اللہ سرہ بدین زبان سخن فرمودہ ' بعد ازاں حضرت خواجہ گنج شکر قدس اللہ سرہ و حضرت خواجہ گنج شکر در زبان ہندی و پنجابی بعضے از اشعار نظم فرمودہ چنانکہ در مردم مشہور اند۔ اشعار از دوہرہ و سورتہ ... و امثال آں نظم نمودہ ہمچناں ہر یکے از اولیا بدین لسان تکلم می فرمودند تا کہ عہد خلافت ایشاں یا محقق مدقق * رسید وے دریں زباں بسیارے از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف فرمودہ و یکے از مصنفات وے اکھروتی است "

افسوس کہ باوجود تلاش کے ہمیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کا کوئی معتبر

---

* اس سے مراد ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ ہے —

قول هندی زبان میں نہیں ملا ' لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت کو دیکھتے ہوے یقینی امر ہے کہ وہ هندی زبان سے ضرور واقف تھے کیونکہ هندو بھی مسلمانوں سے کم اُن کے معتقد نہیں - " هندالولی " کی ترکیب ' اور " غریب نواز " کا لقب خود ان کی عام مقبولیت کی صاف شہادت دے رہے ہیں - البتہ شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے متعدد مقولے ملتے ہیں - مولانا سید مبارک معروف بہ میر خورد سلطان المشائخ حضرت نظام‌الدین اولیاء کے مرید و مصاحب خاص تھے ' انھیں کے پاس رہتے اور روزانہ فیض صحبت سے مستفید ہوتے تھے - انھوں نے اپنی تالیف سیرالاولیا * میں حضرت کے اقوال و حالات جو اپنے کانوں سنے اور آنکھوں دیکھے تھے مرتب کرکے لکھے ہیں —

شیخ فریدالدین شکر گنج	اس کتاب میں حضرت شکر گنج کے دو هندی قول بھی آگئے ہیں وہ

هم عبارت متعلقہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں —

---

* مرتب کردہ و شایع کردہ چرنجی لال مطبوعۂ مطبع محب هند دهلی —

" منقول است چوں شیخ جمال الدین نقل کرد مادر مومناں* که خادمہ "شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہا ' بود' مصلی و عصاے شیخ جمال الدین که از شیخ شیوخ العالم† یافتہ بود' مولانا برهان الدین صوفی پسر خورد شیخ جمال الدین که پدر شیخ قطب الدین منور بود ' درعالم صغر بود' بخدمت شیخ شیوخ العالم برد - شیخ شیوخ العالم بمرحمت مولانا برهان الدین مذکورا تعظیم و تکریم نمود و بشرف ارادت و بیعت خود مشرف گردانید - چند روز بر خود داشت و بوقت مراجعت خلافت نامہ و آں مصلی و عصا با نعمتے که مولانا شیخ جمال الدین

---

* شیخ جمال الدین هانسوی الخطیب حضرت شکر گنج کے محبوب و معظم خلیفہ تھے چنانچہ محض ان کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک هانسی میں مقیم رهے - شیخ جمال الدین کی ایک کنیز خادمہ تھی جو بہت صالحہ تھی اور ان کے عرایض حضرت شیخ شکر گنج کے پاس لے جایا کرتی تھی- حضرت گنج شکر انھیں " مادر مومنان " فرماتے تھے ۔ اسی وقت سے یہ لقب ان کا پڑگیا —

† حضرت شیخ شکر گنج قدس سرہ العزیز سے مراد ھے-

روان کردہ بود بمولانا برهان الدین صوفی بخشید و فرمود چنانچه جمال الدین از جهت ما مجاز بود تو هم مجازی و این هم فرمود باید که چند گهے در صحبت نظام الدین باشی یعنی سلطان المشایخ۔ درین محل مادر مومناں بخدمت شیخ شیوخ العالم عرض داشت کرد بزبان هندی که "خوجا بالا هے" یعنی خورد است این بار گراں را طاقت نتواند آورد۔ شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز فرمود بزبان هندی "پونوں کا چاند بھی بالا هے" یعنی شب ماہ چهاردهم در اول شب خورد می باشد که بتدریج به کمال می رسد"۔*

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور واقعہ لکھا هے جس کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا هے —

شیخ علی صابر ساکن قصبہ دیکری ایک بزرگ درویش تھے اور اکثر شیخ شیوخ العالم کی خدمت

---

* سیرالاولیا صفحہ ۱۸۲۔

میں حاضر رہتے تھے۔ ان کو شیخ سے اجازت بیعت بھی تھی۔ ایک وقت جب کہ بعض بزرگوں کو جنھیں شیخ نے دولت خلافت سے مشرف کیا تھا، ایک ایک کرکے وداع فرما رہے تھے اور مخصوص وصیتیں کررہے تھے اور ایک ایک شخص ان کے ھمراہ کر رہے تھے' اس اثنا میں شیخ علی صابر نے عرض کی کہ بندہ کے باب میں کیا ارشاد ھے - فرمایا " اے صابر برو بھو کہا خواھی کرد " " یعنے ترا عیش خوش خواھد گزشت " - *

جمعات شاھی میں جو حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا مجموعہ ھے حضرت شکر گنج کا یہ منظوم قول نقل کیا ھے —

اسا کیری یھی سوریت جاؤں فاقے کہ جاؤں مسیت

اس کے علاوہ حضرت کی بعض نظمیں بھی ملتی ھیں - چنانچہ ایک پرانی بیاض میں مجھے یہ نظم دستیاب ھوئی :—

تن دھونے سے دل جو ھوتا پوک
پیش رو اصفیا کے ھوتے غوک

---

* سیرالاولیا صفحہ ١٨٥ -

ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے
بوکڑواں * سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لانے † سے گر خدا پائیں
گاے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوش گری میں گر خدا ملتا
گوش چویاں (ھکذا) کوئی نہ واصل تھا

عشق کا رموز نیارا ہے جز مدد پیر کے نہ چارا ہے

کئی سال ہوے محمد شمیم صاحب تسنوی بہاری کا ایک خط مجھے وصول ہوا جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ الاصلاح تیسنہ کی ایک قلمی کتاب کی جلد خراب ہوگئی تھی جب اس کی نئی جلد بندھنے کو دی تو جلد کے اندر ایک کاغذ لگا ہوا ملا جس پر حضرت شیخ فرید شکرگنج کی یہ غزل ریختہ لکھی ہوئی تھی :—

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس صبا دا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن ‡ تنہا چہ روی زیر زمیں نیک عمل کن کہ وھی سات ہے

* بکرے۔ † لگانے۔ ‡ اصل مسودے میں کاتب نے 'باتن' کو 'باطن' اور 'زیر' کو زبن لکھہ دیا ہے —

پند شکر گنج که بدل جان شنو   ضایع مکن عمر که هیهات ہے

مجھے حضرت کی ایک نظم "جھولنا شیخ فرید شکر گنج" کے نام سے ملی ہے یہ چار صفحے کا رسالہ ہے۔ نمونے کے طور پر دو شعر اُس کے لکھتا ہوں :—

(سگن ذکر جلی)

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نیں
اُٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نیں

—*—

پاک رکھ توں دل کو غیر ستی آج سائیں فرید کا آوتا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سیں لا زوال دولت کوں پاوتا ہے

حضرت شیخ شکر گنج کا سنہ ولادت ۵۶۹ ھجری اور سنہ وفات ۶۶۴ ھجری ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید و خلیفہ تھے اور پاک پٹن میں قیام تھا —

شیخ حمید الدین ناگوری

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری (ولادت ۵۹۰ ھجری اور سنہ وفات ۶۷۳ ھجری) کا ایک واقعہ خود ان کی زبانی سرور الصدور میں یوں لکھا ہے —

" شیخ بزرگ (شیخ حمید الدین ناگوری)

فرمودند اگرچه جدّہ شما سہب بیاں می کند
و لیکن ھمہ از کرامت است - وقتے پیش
ایشاں می گزشتم خورد بودم و ایشاں
بر کھٹ بودند ھمیں کہ نزدیک ایشاں
رفتم دست بگرفتند و بزبان ھندی گفتند
می دانی جد تو کیست، گفتم بی بی -
چگونہ، گفت از جد تو ھیچ کس بجز
پیغمبرش بزرگ نیست " — *

اس سے صاف ظاھر ھے کہ اس زمانے میں ان بزرگوں کے گھروں میں بھی ھندی بول چال کا رواج تھا اور چونکہ یہ ان کے مفید مطلب تھا اس لیے وہ اپنی تعلیم و تلقین میں بھی اسی سے کام لیتے تھے —

اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ھے کہ وہ زبان جسے ھندی کہتے تھے اور جو باوجود تغیر و تبدل کے کچھہ مدت قبل تک ھندی کہلاتی ھے اور اب اُردو کے نام سے موسوم ھے کس طرح ھمارے ملک میں اندر باھر چھائي ھوئی تھی —

---

* سرورالصدور صفحہ (۲۲۰)

شیخ شرف الدین بو علی قلندر

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی (وفات سنہ ۷۲۴ ھجری) بڑے صاحب جلال اور صاحب اثر بزرگ ہوئے ہیں۔ جب علاءالدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کر کے تخت و تاج پر قابض ہوا تو اس نے اپنی اس سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لیے لشکریوں نیز دوسروں کو اپنی داد و دھش سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے مصاحبوں نے کہا کہ حضرت بو علی قلندر کو خوش کرنا بہت ضروری ہے اگر ان کی نظر آپ کی طرف سے پھری رہی تو رعایا میں ہردلعزیزی حاصل کرنا دشوار ہو گا۔ علاءالدین نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو ان کی خدمت میں بھیجے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر خسرو اس کام پر متعین ہوئے۔ انھوں نے گا بجا کر حضرت کو خوش کر لیا۔ اس کے بعد حضرت نے بھی اپنا کچھ کلام سنایا جسے سن کر امیر خسرو بہت آبدیدہ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا "ترکا کچھ سمجھدار ہے" امیر خسرو نے کہا اسی لیے تو روتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھتا —

صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ "ھجری

ساتویں صدی بعہد محمد تغلق شاہ و علاءالدین خلجی جس زبان کا رواج تھا اس کی اس دوھے سے جو حضرت شیخ شرف‌الدین بو علی قلندر صاحب کی زبان مبارک سے مبارز خان صاحب کے ارادۂ سفر کے موقع پر نکلا تھا، کیفیت معلوم ہوتی ہے —

سجن سکارے جائیں گے اور نین مرینگے روے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ہوے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے —

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب
یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

امیر خسرو | سلطان الاولیا شیخ نظام‌الدین (ولادت سنہ ۶۳۴ ھجری وفات سنہ ۷۲۵ ھجری) سلسلۂ چشتیہ میں عجب صاحب کمال، وسیع مشرب، صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گزرے ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔ انہوں نے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور بعض بادشاہوں نے ہر چند یہ چاہا کہ وہ ان کے دربار میں حاضر ہوں اور اس معاملہ میں سختی سے بھی

پیش آئے مگر شیخ نے مطلق پروا نہ کی اور آخر ان جبار بادشاہوں کو نادم ہونا پڑا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ ڈالے - آپ سماع کے بہت شایق تھے اور ہندی راگ کی بہت سرپرستی فرماتے تھے - ہندوستان کے اکثر اولیا اللہ نے ہندی موسیقی کو بھی اپنی سرپرستی سے بڑی ترقی دی اور اس میں خاص ذوق اور کمال حاصل کیا - چنانچہ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی اور شیخ بہاءالدین برناوی وغیرہ اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں - امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا - وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے - امیر خسرو نے موسیقی میں جدتیں دکھائی ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے - اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہندی میں نظمیں اور دوہرے لکھے - افسوس ان کا ہندی کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا - تذکروں میں کہیں کہیں بعض چیزیں مل جاتی ہیں - میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں اُن کا یہ قطعہ لکھا ہے —

زر گو پسرے چو ماہ پارا کچھہ گھڑئیے سنوارئیے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھہ نہ گھڑا نہ کچھہ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ھے جس میں فارسی ھندی دونوں ملی ھوئی ھیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ھوتی ھے —

ایک مشہور غزل ریختے کی ان کے نام سے تذکروں میں ملتی ھے جس کے چند شعر یہ ھیں —

ز حال مسکیں مکن تغافل دو رائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ھجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاھے لگائے چھتیاں
شبان ھجراں دراز چوں زلف و روز و صلش چو عمر کو تاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکین
کسے پڑی ھے جو جا سناوے پیارے پی کو ھماری بتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہیلیاں انملیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ھیں جن کی صحت کا اس وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں —

بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑا ھوا کچھہ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناوں
بوجھے نہیں تو چھوڑو گاوں (چراغ)

دس ناری ایک ھی نر
بستی باھر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
منھ میٹھا تاثیر گرم (خربوزہ)

شیخ سراج الدین عثمان تاریخ فرشتہ میں منقول ھے کہ شیخ سراج الدین عثمان معروف بہ اخی سراج (وفات سنہ ۷۵۸ ھجری) جو سلطان اولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دھلوی کے خلیفہ تھے بعد وفات سلطان اولیا بنگالہ سے دھلی آئے اور حضرت چراغ دھلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا - خواجہ نے فرمایا کہ بنگالہ جاؤ - انھوں نے کہا وھاں پہلے سے شیخ علاءالدین قل موجود ھیں اور مرجع خلائق ھیں - وھاں میرے جانے کی کیا ضرورت ھے - اس پر خواجہ صاحب نے فرمایا "تم اوپر وہ تل" —

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اسی زمانے کے ایک بزرگ اور صوفی کامل شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ھیں (ولادت سنہ ۶۶۲ ھجری وفات سنہ ۷۸۲ ھجری) منیر بہار کا ایک قصبہ ھے اور اسی سے منسوب ھیں - پوربی اور ھندی بھاشا کے شاعر

تھے - اب تک ان کے بتائے ہوئے بعض منتر سانپ بچھو اور سایہ کے اتارنے اور دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے لیے پڑھتے ہیں جن کے آخر میں ان کی دہائی ہوتی ہے - پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں مولوی محبوب عالم صاحب کی بیاض سے ایک کچ مندرہ نقل کیا ہے - میرے ایک دوست کو بھی اسی قسم کا سانپ کے زہر اتارنے کا منتر یاد ہے اور وہ اس کے عامل ہیں۔ اسی قسم کی عبارت ہے اور وہی شاہ صاحب کی دہائی ہے - ان منتروں اور کچ مندروں سے اس زمانے کی پوربی بولی کا کچھ یوں ہی سا اندازہ ہوتا ہے البتہ اس میں دو دوہرے آگئے ہیں وہ ضرور قابل لحاظ ہیں۔ وہ یہ ہیں —

کالا ہنسا نہ ملا بسے سمندر تیر
پنکھ پسارے بکھ ہرے نرمل کرے سریر
درد رہے نہ پیر
شرت حرت مائل کہیں درد کچھ نہ بسائے
گرد چھوئیں دربار کی سو درد دور ہوجائے

حضرت شاہ برہان الدین غریب

حضرت نظام الدین اولیا کا فیض ہندوستان میں دور دور پہنچا ہے۔ حضرت شاہ برہان الدین (وفات سنہ ۷۳۸ ہجری)

جو برهان الدین غریب کے نام سے مشہور ہیں آپ
کے اکابر خلفا میں سے ہیں۔ جس وقت سلطان محمد
تغلق نے دولت آباد کو ہندوستان کا دارالسلطنت
بنایا اور ساری دلی کو اجاڑ کر یہاں لا بسایا؛
تو اس وقت شیخ برہان الدین اور سلطانجی کے
بہت سے خلفاء و مریدین دولت آباد آئے۔ دکن کی خلافت
شیخ برہان الدین اور ان کے بڑے بھائی منتجب الدین
کو عطا ہوئی۔ یہ لوگ یہیں رہ گئے اور یہیں انہوں
نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا —

حضرت سید علاء الدین ضیا چشتی (دولت آبادی) کے
احوال میں یہ منقول ہے کہ جب سلطان جی نے
حضرت برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا
تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "میری پیرزادی
دولت آباد میں قیام فرما ہیں ان کی خدمت میں
سرگرم رہنا"۔ اس سے مراد حضرت بیوی عائشہ بابا
فرید شکر گنج کی صاحبزادی ہیں۔ آپ ہر جمعہ
کو بعد نماز جمعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔
بیوی عائشہ کی ایک بیٹی تھیں جو بہت بڑی
عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ایک بار جو آپ حسب
معمول بعد نماز جمعہ حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ

اس لڑکی پر پڑی اور ان کو دیکھہ کر متبسم ہوے۔
بیوی عائشہ نے بہ زبان ملتانی فرمایا —
" اے برھان الدین ! ساڑی دھیہ کہ کہیا ھنسدا ھے "
یعنی اے برھان الدین! تو ھماری لڑکی کو دیکھہ کر کیوں ھنستا ھے۔
اس سے ظاھر ھے کہ یہ بزرگ مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلف بولتے تھے اور اس کے استعمال سے کبھی عار نہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھتے تھے —

حضرت گیسو دراز بندہ نواز

سلطانجی کا فیض دکن میں ایک اور ذریعہ سے بھی پہنچا ھے۔ حضرت کے بہت بڑے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیرالدین چراغ دھلی تھے۔ سلطانجی انھیں بوجہ کثرت فضل و دانش " گنج معانی " کہا کرتے تھے۔ انھیں کے خلیفہ و مرید سید محمد ابن یوسف الحسنی الدھلوی (وفات سنہ ۸۲۵ ھجری) تھے جو گیسو دراز کے لقب سے مشہور ھیں۔ یہ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد جب (سنہ ۸۰۱ ھجری میں) گجرات کے رستے مختلف مقامات سے ھوتے ھوے دکن روانہ ھوے تو شیخ نصیرالدین چراغ دھلی کے بہت سے مرید ان کے ھمراہ ھو لیے اور اس قافلے کے ساتھہ

سنہ ۸۱۵ ھجری میں حوالیء حسن آباد گلبرگہ میں فایز ہوے۔ وہ زمانہ فیروز شاہ بہمنی کا تھا۔ بادشاہ کو جب فیروز آباد میں آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان و امراے دولت اور اپنی اولاد کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا۔ بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانخاناں جو بعد میں اس کا جانشین ہوا ان کا بہت بڑا معتقد ہوگیا تھا۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سر زمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے۔

حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاھے گاھے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جو لوگ عربی فارسی سے واقف نہ تھے اُن کے سمجھانے کے لیے ھندی زبان میں تقریر فرماتے تھے۔

مجھے ایک قدیم بیاض ملی ھے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم و نثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ھندی یعنے قدیم اردو میں ھیں، اس خاندان کے کسی معتقد

نے بڑے اہتمام و احتیاط سے جمع کیے ہیں ۔ اس کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے ۔ چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے نسبت ہے اس لیے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال وغیرہ اس میں پائے جاتے ہیں ۔ منجملہ ان کے ایک مثلث بھی ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے —

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا

اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا

اپسیں اپیں دیکھا و نے کیسی آرسی لایا

حضرت گیسو دراز صاحب تصانیف کثیرہ تھے ؛ یہ زیادہ تر فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں ۔ یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے عام لوگوں کی تلقین کے لیے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے ۔ ان کا ایک رسالہ " معراج العاشقین " میں مرتب کر کے شایع کر چکا ہوں ۔ اس کا سنہ کتابت سنہ ۹۰۶ ہجری ہے ۔ اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے —

" اے عزیز ! اللہ بندہ پنا یہاں پچھان کو جانا ، نیں تو شرع جاتا ہے ۔ اول اپنی پچھانت بعد از خدا کی پچھانت کرنا " ۔

"انسان کے بوجنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی۔ نفس اس کا امارہ یعنے واجب کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو۔ حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو، حسد نک سوں بد بوئی نا لینا سو، بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو، کینا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا، نبض پہچان کوں دوا دینا" —

علاوہ اس رسالے کے میرے پاس آپ کے متعدد اور رسالے اس زبان میں ہیں 'تلاوت الوجود' 'درالاسرار' شکار نامہ' تہذیل نامہ' ہشت مسایل وغیرہ۔ اگرچہ زبان ان کی قدیم ہے لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انھیں کی تصنیف ہیں یا اُن سے منسوب ہیں۔ بیاض مکتوبہ ۱۰۶۸ ھ کے علاوہ دو اور بیاضوں میں ان کی ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں ملی ہے جس کی نسبت یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انھیں کی ہے۔ البتہ مقطع میں تخلص انھیں کا ہے۔ وہ یہ ہے —

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا سار توں
ہوے نرم نہ تجہ اوچڑے پس کھایگا آزار توں
سختیچ گھوڑا زور ہے خود خیال اس کا ہو رہے
تن لو تنفے کا چور ہے نہ چھوڑ اس بہ تہار توں
گھوڑے کوں بھیتر کھوڑ ہے اس کوں نہ حکمت ہو رہے
ہر دم ذکر سوں توڑ ہے غافل نہ ہو ہشیار توں
کر دسکلا دل گیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چارا کھلا ایمان کا رکھ باند اپنے دار توں
خوگیر شریعت نعل بند زین ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تنگہ معرفت اختیار توں
دوہے رکاباں نیک بد رکہنا قدم توں دیکھ حد
کچھہ ہو پڑے گا دیکھہ تب توبہ کی چابک مار توں
تب قید گھوڑا آے گا تجھہ لا مکاں لے جاے گا
تب عشق جھگڑا پاے گا خد مار لے تروار توں
شہبا ز حسینی کھوے کر ہردو جہان دل دھویکر
الله آپے یک ہوے کر تب پاوے گا دیدار توں

یہ صوفی بزرگ ہندوستان کے ہر صوبے اور خطے میں پھیلے ہوئے تھے - اسی زمانے کے قریب ہم گجرات میں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے نام پاتے ہیں جو وہاں مرجع خلایق تھے ---

حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم	سید برھان الدین ابو محمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم ابن سید

ناصر الدین ابن سید الا قطاب مخدوم جہانیاں بخاری سنہ ۷۹۰ ھجری میں پیدا ہوے اور سنہ ۸۵۰ ھجری میں وفات پاگئے - دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ھوگیا - ان کے حقیقی چچا اور مخدوم جہانیاں کے مرید و خلیفہ سید راجو قتال ان کی پرورش و تربیت کے متکفل ھوے۔ دو سال بعد سنہ ۸۰۳ ھجری میں اپنی والدہ کے پاس پٹن میں آ گئے - سلطان احمد گجرات کا بادشاہ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا تھا - اور جب اس نے احمد آباد بسایا تو پٹن سے احمد آباد آ گئے- بعد ازاں موضع بٹوہ میں قیام فرمایا اور وھیں انتقال کیا - اس موضع کے قیام کے زمانے کا ذکر ھے کہ ایک روز شب کو نماز تہجد کے لیے اُٹھے، صحن میں ایک لکڑی پڑی ھوئی تھی اس سے ٹھوکر لگی، پانوں میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا "لوھا ھے کہ لکڑی ھے کہ پتھر ھے" *- ایک دوسرا واقعہ یوں مذکور ھے کہ جب

---

* تحفۃ الکرام صفحہ (۱۷) -

آپ کے فرزند سید شاہ محمود معروف بہ شاہ بڈہ کے ہاں شاہ راجو پیدا ہوے (جو اپنے اور بھائیوں سے چھوٹے تھے) تو جس وقت ان کے تولد کی خبر آپ کو پہنچی تو شاہ محمود سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا "بھائی محمود خوش ہو اساں تہیں وڈا تساں تہیں وڈا اساندے گھر جلال جہانیاں آیا" †۔

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت قطب عالم کے حجرہ مشغولی میں جا پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب ہیں اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان پر جاری ہیں —

"محمد پر میں کھڑیا سائیں پریم چکھاے"

(جمعات شاہیہ) —

حضرت سراج الدین ابوالبرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم حضرت شاہ قطب عالم کے فرزند اور خلیفہ تھے ان کے ایک مرید نے ان کے اقوال و ملفوظات ایک

---

† تحفۃ الکرام صفحہ (۱۸) -

کتاب میں جمع کئے ھیں جس کا نام جمعات
شاھی ھے - اس میں حضرت قطب عالم و شاہ عالم
وغیرہ کے متعدد اقوال ھندی اور گجراتی میں
پاے جاتے ھیں۔ ان میں سے چند نقل کئے جاتے
ھیں - ایک موقع پر فرمایا —

(۱) کاندھی کا راجا تم سر کوئی نبوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نبوجھے

فرمودند اگرچہ بزبان ھندی است اما موافق
عربی است —

(۲) ایک روز فرمایا کہ حضرت قطبیہ کے عہد
میں میرے سر پر کچھہ دیوانگی سی سوار تھی
جو کوئی کچھہ سوال کرتا تو خدا سے دعا کرتا
اور ھر ایک کا حال برملا کہہ دیتا - کسی سے کہتا
کہ تیری عمر اس قدر باقی ھے کسی سے کہتا تیرے بیٹا
ھوگا اور کسی سے کچھہ کسی سے کچھہ - فرماتے ھیں
کہ بعد وصال حضرت قطبیہ (قطب عالم) نے یہ
بات میرے دل میں ڈالی —

" ابے چھو کرا ' بے ادبی بگذار و گستاخی مکن "

فرماتے ھیں کہ کسی نے ذکر کیا کہ سقایہ
میں خدا کا نام نہیں لینا چاھئے میں نے آھستہ

سے کہا کہ اس کا کیا کروں حق تعالی خود مجھے نہیں چھوڑتا - بادشاہ گھوڑے پر سے نہیں اُترتا گھوڑا بچارا کیا کرے —

ایتو بدو بر بھو یا کیں اکھارے
ھوں لاج مروں بیگ نیار و نہوے

ایک روز حضرت شاہ عالم گھڑ بہل میں سوار جا رہے تھے اور میاں مخدوم شاہ (احمد) بھی ہمرکاب تھے - سلطان شاہ غزنی قدس سرہ جو سلاطین گجرات کے اعزہ میں سے تھے گھوڑے پر سے اترے اور نہ سلام آداب کیا - میاں مخدوم نے کہا کہ حضرت آپ نے اس جوان کے غرور و کبر کو ملاحظہ فرمایا - آپ نے ھندی زبان میں ارشاد کیا —

"ارجن جی کا او نہ بھایا ھوے تو تجھہ
سے فقیروں کی بوسوں تیں کٹاسی کرے" * -

ایک روز سید محمد را جو قتال کے مناقب کا ذکر آیا - یہ سیدالاقطاب مخدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور حضرت قطب عالم کے چچا تھے - ان کی والدہ کا نام جنت خاتوں تھا - حضرت مخدومیہ نے ان کے حق میں زبان اُچہ میں فرمایا —

---

* تحفۃ الکرام صفحہ ۳۱ -

"تساں راجے اساں خواجے"

یعنے

تم بادشاہ اور ہم وزیر

حضرت سید محمد جونپوری

حضرت سید محمد جونپوری بہت بڑے بزرگ اور صاحب تصرت گزرے ہیں۔ ان کے مرید اور پیرو انھیں "مہدی آخرالزماں" مانتے ہیں۔ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کا بہت سا زمانہ سیاحت میں گزرا۔ ان کے بعض اقوال فرقہ مہدویہ کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ باوجود علم و فضل کے وہ اکثر ہندی یا گجراتی میں مخاطبت فرماتے تھے —

(۱) شیخ احمد کھتو * کی نسبت آپ نے فرمایا "رو پیتنے خدا کوں پونچے" (یعنے بہ گریہ و زاری خدا رسید) (از تاریخ سلیمانی جلد اول) —

---

* احمد کھتو مشہور بہ گنج بخش بہت بڑے بزرگ اور شیخ وقت گزرے ہیں۔ سنہ ۸۰۲ ھجری میں بعہد حکومت مظفر خاں گجرات میں آے سنہ ۸۴۹ ھجری میں انتقال فرمایا۔ موضع کھتو میں مدفون ہیں۔ (تحفۃالکرام صفحہ ۲۲۔ مرآۃ احمدی صفحہ ۵۰) —

(۲) خراسان کے سفر میں سلطان حسین کی فوج نے آپ کے اصحاب کو تکلیف دی اور جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس کی معذرت کی۔ اس وقت سلطان کے سفیر کے سامنے یہ جملہ فرمایا "شہ کی چوٹ شکر کی پوٹ"

(۳) حج کے سفر میں یہ دوھرا فرمایا —

ھوں بلھاری سجنا ھوں بلھار
ھوں سر جن سہرا ساجن مجھہ گل ھار

(از شواھدالولایت)

(۴) رحلت سے کچھہ پہلے یہ دوھرا ارشاد کیا —

ھیر و تت* پکھال توں کان پر دھوے مدھوے
او جول ھو ویں نچھوت سی سکھہ نندری ناسوے

یہی دوھرہ بیدر میں قاضی علاءالدین بیدری کو مخاطب کر کے فرمایا تھا (شواھدالولایت)

(۵)-(۶) ذیل کے دو دھرے مجھے اسرار عشق تصنیف مومن (۱۰۹۱) کے ایک قدیم نسخہ میں ملے ھیں۔ جس کے سر ورق یہ عبارت درج ہے —

"این کتاب مسمی با سرار عشق معض ابتدا تا انتہا شرح نقل مقدسہ سید محمد

---

* (ھراتت)

مہدی موعود است و سوائے ایں حرف نیست - نقل اینست کہ مہدی علیہ اسلام فرمود " تمام عالم مصطفیٰ کے ولایت کا صفت کرنے بیچ ہوا - ہمارے ملانے دو کو جری دھیاں میں مصطفیٰ کی ولایت کی صفت کیئے "

دوھرہ

چندر کہے تر ایں * کوں سورج دیکھو آئے
ایسا بھگونت جو بھتییے دشت پاپ چھر جائے

دو ھرہ دیگر —

تو روپ دیکھہ جگ موھیا چند تر ایں * بھاں
اتھیں روپ پہن ھوو ں کو وھی نہ ھوے آ ن

ایں تمام کتاب شرح و تفسیر ھمیں دو دوھر ھا است —

آپ کی ولادت سنہ ۸۴۷ ھجری اور وفات سنہ ۹۱۰ ھجری میں بہ مقام فراح (بلوچستا ن) واقع ھوئی وھیں مدفوں ھوے —

شیخ بہاءالدین باجن	شیخ بہاءالدین باجن (ولادت سنہ ۷۹۰ ھجری وفات سنہ ۹۱۲ ھجری)

برھان پور کے اولیاء اللہ میں سے ھیں- شیخ عزیزاللہ المتوکل

* (نسخہ) تراسن —

علی اللہ کے مرید تھے - آپ کی ایک کتاب " خزانۂ رحمت " ہے جس میں اپنے مرشد کے ملفوظات اور ارشادات جمع کئے ہیں - بقول صاحب تاریخ برہان پور " اُس زمانے میں جو ملک ہند کی طرز زبان تھی اس طور پر کلمات شعر بہ مضمون تصوف کبھی کبھی موزوں فرماتے تھے " ..... از آنجملہ یہ ہے پردۂ پوربی میں -

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

مندل من میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے

صوفی ان پر تھمکے

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

پروفیسر شیرانی نے ان کے متعدد اشعار لکھے ہیں - ان میں دو ایک یہاں نقل کئے جاتے ہیں -

یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

اول آن چھل بہت چھلا ئے آن چھو ھری بہتی کھا ئے

آن رو کر بہت رلا ئے

یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا

باجن جیو را وار کو سر آگیں دھریا

روزے دھر دھر نماز گذاری دیتی فرض زکواۃ
بن فضل تیرے چھوتک نا ھیں آ کیں مکھ میں بات

شیخ عبدالقدوس گنگوھی -

شیخ عبدالقدوس گنگوھی (ولادت سنہ ۸۶۰ ھجری وفات سنہ ۹۴۵ ھجری) شیخ محمد بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید اور صاحب تصانیف کثیرہ ھیں - وہ ھندی کے شاعر تھے اور الکھہ داس تخلص کرتے تھے - پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب " پنجاب میں اردو " میں ان کے کلام کا نمونہ دیا ھے - اس میں سے یہ چند شعر نقل کئے جاتے ھیں -

دھن کارن پی آپ سنوارا بن دھن سکھی کنت کنھارا
شہ کھیلے دھن سانہین ایواں باس پھول میں اچھے جیواں
کیوں نہ کھیلوں تج سنگ میتا مجھ کارن تیں ایتا کیتا
الکہ داس آ کھے سن سوئی سوئی پاک ارتہ پھن سوئی

جدھر دیکھوں ھے سکھی دیکھوں اور نکوئے
دیکھا بوجھ بچار منہ سبھی آ پیں سوئے

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری -

حضرت شاہ محمد غوث بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں تھے شیخ وجیہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ بھی ان سے ارادت رکھتے تھے اگرچہ وہ مرید شاہ قادن تھے مگر فیض روحانی انہیں شاہ محمد غوث ھی سے حاصل ھوا - مقصود المراد (ملفوظات سید ھاشم علوی) میں خود شاہ ھاشم (جو شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے ھیں) کی زبانی یہ لکھا ھے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائی اور علم حقایق سکھایا اور باوجودیکہ انہوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کئے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہ الدین) فرماتے تھے اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ ھوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت اللہ تمام عمر میں حاصل نہوئی تھی وہ ایک شب میں حاصل ھوگئی —

اس کتاب میں شاہ صاحب کا ایک ھندی قول سید شاہ ھاشم کی زبانی بیان کیا گیا ھے —

"بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے"

یعنے بھکاری کو خدا نہیں ملتا ان کے بعض اور اقوال اور ھندی اشعار بھی میری نظر سے گزرے ھیں جنکو

میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اس وقت تلاش نہیں کر سکا -

حضرت کا انتقال سنہ ۹۷۰ ھجری میں آگرہ میں ہوا، گوالیار میں دفن ہوئے - آپ کی عمر بقول بدایونی وفات کے وقت اسی سال کی تھی -

شیخ وجیہ الدین احمد علوی -

شیخ وجیہ الدین احمد العلوی قدس سرہ بہت بڑے عالم اور صاحب باطن ہوے ہیں - صاحب تصانیف ہیں - سنہ ۹۱۰ ھجری میں محمد آباد (جانپانیر) میں پیدا ہوے اور سنہ ۹۹۸ ھجری میں انتقال فرمایا - آخر عمر احمد آباد میں درس و تدریس اور تعلیم و تلقین میں مصروف رہے - اگرچہ وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ شاہ قادن کے مرید تھے لیکن فیض روحانی اور معرفت الہی شیخ محمد غوث سے حاصل ہوئی - آپ کے مریدوں نے آپ کے ملفوظات کتاب کی صورت میں جمع کئے ہیں جس کا نام بحرالحقایق ہے - اس میں جگہ جگہ ان کے ھندی اقوال درج ہیں - شیخ کے مرید ان سے سوال کرتے ہیں اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں - سوال تو فارسی میں لکھے ہیں لیکن جواب خود شیخ ہی کے الفاظ میں ھندی میں تحریر کئے ہیں - یہاں چند مقام نقل کئے جاتے ہیں -

لفظ، فرمودند کہ "جس چیز میں ذوق و شوق پاوے اوسے ترک نہ دیوے" یعنی در آں چیز یکہ صوفی ذوق و شوق یابد آں چیز را ترک ندھد۔ شخص گفت اگر آں چیز متفق الحرمت باشد چہ کند از و اعراض نمودہ فرمودند "بھوندا ہوئے سونا کرے"

لفظ، عزیزے عرض کرد۔ بخانۂ دنیا داراں نروم۔ فرمودند۔

"کاھے دنیا دار بھی اپنیچ" یعنی اہل دنیا نیز از ماانذ۔

لفظ، می فرمودند۔ طالب کشف نباید شد۔

"اپنوں کوں کیا کشف ہووے یا نہووے کام اس کا ھے"

در حکایت کردن فرمودند "کیا ہوا جو بھوکوں موا۔ بھوکوں موے تیں کیا خدا کوں انپڑیا؛ خدا کوں انپڑنے کی استعداد ہو رھے"۔

لفظ، کسے از ریاضت عرض کرد، فرمودند "میں کہاں یا کدھاں ریاضت کیتی"—

لفظ، فرمودند "جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے"۔

شیخ بہاألدین برناوی خاتم التارکین—

شیخ بہاألدین برناوی خاتم التارکین اکبر و جہانگیر کے عہد کے بزرگ ہیں۔ ہندوستان کے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی۔

موسیقی کے دلدادہ تھے اور خود اس فن میں بڑا کمال رکھتے تھے - بلکہ بعض چیزوں کے موجد ہوے ہیں ۔ پروفیسر شیرانی نے اُن کے حالات اور ان کا کلام کتاب چشتیہ تصنیف مخدوم علاءالدین ثانی سے نقل کیا ہے - وہیں سے ان کے کلام کا یہ نمونہ درج کیا جاتا ہے -

ان نینن کا یہی بسیکھ
ہوں تجھ دیکھوں توں منجھ دیکھ

خواجہ خضر کے حق میں کہا ہے —

دائم حیات کائم کرامات ملاکات نعمت پاؤ فہم
ندی تیر درم بہاری بھیر بھرت سرھت ہوتیاں تیاری رم پرم
رحم کیجیے کرپا تھیں دیجیے کا کہوں زاوری سم
تم کھواجہ* کھدروے† سہتر الیاس رہ دور پاس یاجگت اگم‡

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی بن قاضی برہان الدین بن قاضی نصراللہ بن قاضی عماد الدین بہت بڑے بزرگ ہوے ہیں - قاضی برہان الدین اور شاہ وجیہ الدین دونوں قاضی

---

* خواجہ -
† خضر -
‡ جو نہ مل سکے -

نصر اللہ کے بیٹے تھے - شاہ وجیہ الدین سب سے بڑے تھے اور قاضی برہان الدین سب سے چھوٹے - آپ نے سنہ ۱۰۵۹ ھجری میں انتقال فرمایا' آپ کے ایک مرید حاضر باش شاہ مراد ابن سید جلال نے آپ کے تمام اقوال و حالات جو شاہ صاحب کی زبانی وقتاً فوقتاً سنے ایک کتاب کی صورت میں جمع کردئے ہیں - جس کا نام انھوں نے "مقصود المراد" رکھا ہے - اس میں جا بجا کثرت سے شاہ صاحب کے ہندی اقوال و ابیات اور نظمیں بھی موجود ہیں جو انھوں نے خود شاہ صاحب کی زبانی سنکر قلمبند کی ہیں' ان میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں —

نکتہ :—

ھاشم جی چھولاں * لہر پیویں وحدت کے بحر

ھوویں متوالے سحر دُنی † جون قاتل زھر

سید شاہ ھاشم اپنے چچا زاد بھائی میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں بغرض بیعت و ارادت حاضر ھوے' میاں صاحب نے فرمایا بیٹھو

---

* موجیں -

† دنیا -

آپ نے کہا میں تو خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ انھوں نے کہا تم میرے بھائی ہو میں تم سے کیسے خدمت لے سکتا ہوں، آپ نے کہا میں تو اسی نیت سے حاضر ہوا ہوں اور برابر دست بستہ حاضر رہے۔ چند روز کے بعد شب کو انھوں نے دیکھا کہ حضرت میاں شاہ عبداللہ فرما رہے ہیں کہ مجھ میں جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے بخشا اور یہ پانچ شغل جس طرح کہ میں کہتا ہوں تم کرو۔ اس واقعہ اور ان اشغال کو شاہ ہاشم نے اس طرح نظم میں ادا کیا ہے —

ہنس ہنس سپنے کہیا نا نہاں
دیوں تجھی سب جے منجھ ما نہاں
میں بی نم نم * سر کو لیتا
کیوں نلیو جو دیوے میتا
پانچ شغل مکھ آکہیں سا ڈیں
جیوں رے کہوں ہوں چلن توانہیں
شغل تکھینا کہیا پیو
ننھا بڑا یک جانے جیو

---

* جھکا نا —

جیھا لو ڑے آپس تو ں
تیھا لو ڑے سا روں کو ں
تن منه اپنی صورت دیکھه
آپس تھیں کوی جوا نلیکھه
شغل الہی کی حد جا ن
بی پی بولو جیو نه آن
پالو بی تن مت ابھرا ے
ھاشم جی پیو یوں سمجھا ے
تھی دو شنبه کیری را ت
شاه عبدالله آکھی بات

نکته :—

اے دنیا کے لوک کیڑے مکوڑے
گھیو شهد پر دوڑاتے گھوڑے
تو بتیے بہت نکلتیے تھوڑے

نکته :—

نامنج زن نامنج فرزند
نامنج بھائی نامنج بند
ھاشمی پیو سوں سند*

---

* ملفا ـ

نکتہ :—

پہلوانوں پہلی شرط یہ
نلائیں پہلو بھوئیں وہ
ھاشمی جیتھے مد ماتے بھاری
علوی لوٹیں دن راتیں ساری

نکتہ :—

انما الاعمال بالنیات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات
جو ایسی نیت دیوے ھات
تولا سیاں † کھیلوں شہ کے سات

جکری :—

کہیو ھو چک میرے پیو
بہوت دنن کا اُلجا جیو
بادر کوپ گھٹا کر آوے
تل دھارن ‡ کھیجی کوڑی کھجاوے
مور چکارے ھے بن ماتی
پسو پکی سب تیرے راتی

---

† رنگ رلیاں –
‡ ذرا –

کٹی کٹی ٻھانتو ٻھاؤ ڏکھا تے
کھیو ھو چک سرے پیو
ٻھوت ڏنن کا اُلجا جیو
ٻھر ٻھوئی رنگ رت * سیری
وے رت آوے سوڏھن کیری
ٻھور پیا گھر آؤ سویرے
کھیو ھو چک سیرے پیو
ٻھوت ڏنن کا اُلجا جیو
نین ھمارے نس ڏن روو ے
میت بنا کھو کیوں جنم کھو وے
ھاشم جی سک ھووے تب مکھہ میتا جو وے
کھیو ھو چک سرے پیو
ٻھوت ڏنن کا الجا جیو

جکری :—

جاے کھو یک تل آے پیا   سسکتا جیو ڏھسکتا ھیا
لا الہٰ نفی الاالله اثبات   محمد برحق بلامیم احمد ذات
جاے کھو ایک ....
نفی کل ھوا مانوں تو   کل اثبات ھووے جو

---

* سرخ رنگ

ھاشمی رخسار پھڑکتے علوی تھڑکتا ھے جیو
اب آنے کی ھے بدھائی پیو جاے کہو ....

نکتہ :—

یہی حجت ہے بس ھموں کوں
جس تھیں لہیا سب مغہ توں توں
پھر باطن تھیں ظاھر آیا
پن ھاں نکتہ واحد لیا یا
ھوا یکا یک آپ دکھایا
اتھیں راز پیا کا بوجھا
تن من مغہ جب سائیں سوجھا
ہے توں ھوں ھوں روں روں مانہاں
ایک الف ھو آیا نانہاں
کرنا بھاؤ سوتھا نہیں تھانہاں
نوں تھیں نور ظہور ھو آیا پنج حرفوں لٹکا لیا یا
کر کر لٹکے آپ دکھایا

اب تک میں نے جو کچھہ لکھا ھے اس کا مقصد صرف اتنا ھے کہ ھندوستان کے مسلمان صوفی اور اھل اللہ جو ھدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اھل ملک پر بہت بڑا تھا وہ سب ھندی جانتے تھے - چنانچہ اس بیان کی تصدیق

میں ان کے اقوال و ابیات اور نظمیں جو اُن کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً یا محض اتفاقی طور پر آگئی ہیں پیش کی گئی ہیں - ان اقوال و ابیات میں سے بعض خالص ہندی میں ہیں اور بعض ایسی ہندی میں جو عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط ہے - اب میں اُن بزرگوں اور صوفیا کا ذکر کرتا ہوں جو ہندی یا مخلوط ہندی یا ریختے میں صاحب تصانیف ہوے ہیں - جن حضرات کا ذکر اس سے قبل ہوا ہے ممکن ہے کہ ان میں بھی بعض نے ہندی یا مخلوط ہندی میں رسالے یا کتابیں یا مسلسل نظمیں لکھی ہوں ' لیکن ان کی تصانیف (اگر درحقیقت کچھ تھیں) اس وقت تک دستیاب نہیں ہوئیں - اب اس کے بعد میں اُن صوفیا اور اهل اللہ کا ذکر کروں گا جن کا کلام دستیاب ہوچکا ہے اور میرے پاس موجود ہے -

افسوس ہے کہ اب تک حضرت امیر خسرو کے ہندی کلام کا سراغ نہیں لگا اور جب تک نہیں ملے گا اس کا افسوس رہے گا - اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ہندی زبان کے ماہر تھے - اور ہندی میں ان کا کلام موجود تھا جس کا اعتراف خود انھوں

نے اپنے ڈیوان کے ڈیباچے میں کیا ھے - اگر کبھی ان کا ھندی کلام ملا تو اس وقت اس کی پوری کیفیت اور حیقیقت معلوم ھوگی - فی الحال جو متفرق کلام تذکروں میں ' بیاضوں میں یا جو لوگوں کے زبانوں پر ھے اس کے چند نمونے نقل کردیے گئے ھیں - خسرو کے فارسی کلام میں بھی ھندی الفاظ جا بجا استعمال ھوے ھیں جنھیں وہ بڑے سلیقہ سے استعمال کرتے ھیں - جس طرح وہ ھندی زبان کے ماھر تھے اسی طرح وہ ھندی موسیقی میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے - ان دونوں کا ساتھ لازم و ملزوم ھے ' جس طرح انھوں نے ھندی موسیقی میں فارسی نغمہ کا پیوند لگایا ھے بعینہ اسی طرح انھوں نے ھندی اور فارسی کو ملایا ھے اور حضرت امیر کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ھے کہ وہ پہلے شخص ھیں جنھوں نے سر زمین ھند میں اس زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ ' اردو ' یا ھندوستانی کے نام سے موسوم ھوئی —

اُن کی جو چیزیں ھمیں زبانی پہنچی ھیں ان کے متعلق بدگمانی کرنا درست نہیں - ھماری بہت سی ایسی عزیز چیزیں ھیں جو سینہ بسینہ ھم تک

پہنچی ہیں یہ سچ ہے کہ ان میں تصرف کیا گیا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کی نہیں - بعض ایسی بھی ہیں جو اُن سے منسوب کردی گئی ہیں لیکن منسوب کرنے والوں کی نظر میں ضرور ایسی اصلی چیزیں تھیں جن کی نقل اتارنے کی انھوں نے کوشش کی ہے اور جہاں جعل بنانے میں ذرا سی بھی کسر رہ گئی ہے تو اُن کی چوری پکڑی گئی ہے اور وہ چیزیں اپنی وضع و ترکیب اور زبان کی وجہ سے خود بخود ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں - یہ تو زبانی چیزوں کا حال ہے - تحریری کلام بھی تصرف سے محفوظ نہیں رہ سکا - کیا سعدی کی گلستاں بالکل وہی ہے جو سعدی نے لکھی تھی یا فردوسی کا شاہنامہ بعینہ وہی ہے جس کے لئے اُس نے تیس سال خون جگر کھایا تھا —

شمس العشاق شاہ میراں جی

اگر حضرت گیسو دراز کے رسالۂ معراج العاشقین سے قطع نظر کی جائے اور اُسے منسوب خیال کیا جائے تو پہلے صوفی بزرگ جن کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجا پوری ہیں جن کا سنہ وصال لفظ "شمس العشاق" سے سنہ ۹۰۲ ہجری نکلتا

ہے - آپ مکہ میں پیدا ہوئے اور کچھ دنوں بعد ہندوستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرد بیابانی سے بیعت ہوئے - شاہ کمال الدین کو شاہ جمال الدین مغربی سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کے مرید تھے - حضرت گیسو دراز کا فیض دکن میں بہت وسیع اور عام ہے اور اُن کے روحانی فیوض کچھ بھی ہوں لیکن اُن کا یہ فیض کچھ کم نہیں کہ اُن کے سلسلہ میں اس زبان کو روز افزوں فروغ ہوا جو وہ اپنے ساتھہ دہلی سے لائے تھے - کیا یہ کچھ کم کرامات ہے کہ ایک شخص جو مکہ میں پیدا ہوتا ہے ہند میں آکر یہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین کرتا ہے - یہی نہیں بلکہ اُسی میں لکھتا پڑھتا اور اُسی میں نغمہ سرا ہوتا ہے - چنانچہ وہ خود اپنے حال میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مکہ سے مدینہ شریف کی زیارت کو گئے اور تقریباً بارہ سال روضۂ مبارک کے قریب رہے - ایک روز شب جمعہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے انہیں ہندوستان جانے کے لئے ارشاد فرمایا تو آپ نے نہایت عجز سے یہ عذر کیا کہ میں ہندوستان کی زبان سے

ناواقف ہوں - آنحضرت نے زبان مبارک سے فرمایا "ہمہ زبان بشما معلوم خواہد شد" اور یہی ہوا. ان کا تقریباً سارا کلام (جو اس وقت تک مجھے دستیاب ہوا ہے) اسی ہندی زبان میں ہے - اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت ہندوستان کی عام زبان یہی تھی اور دو آبے، پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں اسی کا تسلط تھا - شاہ میراں جی بڑے با برکت بزرگ تھے انھوں نے بیجا پور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں اُن کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں - اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا - یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا کہ بیجا پور میں زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے —

اس خاندان کے کسی مرید و معتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے تمام کلام کو خاص اهتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کردیا ہے - وہ قلمی بیاض جو بہت ضخیم ہے مجھے ایک بزرگ نے عنایت فرمائی - اس میں شاہ میران جی کے کئی رسالے ہیں - اس قلمی مجموعہ کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے -

ایک رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے - یہ خاصی بڑی نظم ہے - اندرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے - وہ اس میں اپنے پیر شاہ کمال بیابانی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ اُن کی تصنیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا - فرماتے ہیں —

اس کمالیت کا سنگ　　اس خاندان کا رنگ
اُن گمائے اپنا حال　　تو ہوے پیر کمال
کچھ تھے نصیب میرے　　پگ دیکھے تو اُن کیرے

یہ نظم اُن کی دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ سلیس ہے، بحر صاف اور ہندی ہے حمد میں کہتے ہیں —

بسم اللہ الرحمن الرحیم تو سبحان

یه سب عالم تیرا رزاق سبھوں کیرا
تجه بن اور نکوئے نا خالق دو جا ھوئے
جے تیرا ھوے کرم تو تو تے سبھی بھرم
اس کارن تجه کو دھاوں اور تیرا نام لیوں
تجه نرتا کون جانے اور پوری صفت بکھانے
ھے تیرا انت نه پار کس مو کھوں کروں اچار *
جو تیرا امر جانے اس نہی کو نه مانے

اس کے بعد نعت کے چند شعر ھیں پھر منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ھے اور اس کے بعد تصوف کی معمولی باتیں ھیں ۔ لیکن اس سے قبل که وہ تصوف اور معرفت کے مسائل بیان کریں' ھندی زبان میں لکھنے کی وجه اور معذرت اس طرح بیان کرتے ھیں که بہت سے ایسے لوگ ھیں جو عربی جانتے ھیں نه فارسی' ان کے لئے ھندی میں یه باتیں لکھی گئی ھیں ۔ ظاھر پر نه جانا چاھئے باطن کو دیکھنا چاھئے ۔ زبان کوئی بھی ھو معنوں پر خیال کرنا چاھئے ۔ جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ھیں اسی طرح بات کے مغز

---

* بیان ۔

کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو - وہ اسے گھر بھاکا کہتے ہیں یعنے وہ زبان جو گھورے پر کی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت اہل علم کی نظروں میں اسکی کیا قدر و منزلت تھی - لیکن ساتھہ ہی کیا اچھی تشبیہ دی ہے - وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھ لو کہ گھورے پر بارش ہوی اور وہاں کسی کو چمکتا ہوا ہیرا مل گیا - یہ زبان گویا گھورے کا ہیرا ہے ' کوئی معقول آدمی ایسے ہیرے کو گندہ سمجھکر پھینک نہیں دے گا۔

ہیں عربی بول کیرے	اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب	اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلسو بولی	پن اسکا بھاوت کھولی
یوں گر مکہ پنڈ پایا	تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے	اس بیان کرے پیا سے
وے عربی بول نہ جانے	نا فارسی پچھانے
یہ ان کو بچن ہیت	سنت بو جھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول	پن معنی ہے نپتول
کڑوے پن سورس	پھل پا کے جوں پھنس
نا دیکھت بورا لیکھو	لے مغز چاک دیکھو
جے مغز میٹھا لاگے	تو کیوں من اس توے بھاگے
تیوں اس میں ارت نیچ	سب قران کرے بیچ

وہ مغز معنے لیو سب چھال چھوڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا* اس ماتی کا پسارا
نا ماتی اس کو ھان وہ راکھے سمیت آن
یہ چھان ستّا لیوے اور بعضے ناکہ دیوے
یوں بہاکا ماتی جانو زر معنی دل میں آنو
تو جس کو بہاوے جوڑ نا جاسی یہ گن چھوڑ
ھے کڑواں کیوا ھیرا گھوڑا اوپر پڑیا نیرا
کوئی سجاں بھاگوں پاوے تو کیوں نا لیہ اچاوے
گھڑ بہاکا چھوڑ دیجے چن معنی مانک† لیجئے

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ہیں - چنانچہ فرماتے ہیں —

اس نام ہے تحقیق سن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا جے دیکھ نت رہے بھریا
سب ھیروں کیری کھان نا مو تیوں کیری وان
جے غواص بودہ سیوے تو سالم سودھا لیوے
جے ھوے گا مچھارا کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں اور یہ سب سوال و جواب کے طرز میں ہیں - سوال طالب

---

* کہار † موتی

کی طرف سے اور جواب سوشہ کی جانب سے -

ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام "خوش نامہ" ہے - یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ اوپر ایک سو ستر دوہے یا شعر ہیں - چنانچہ خود ہی کتاب کا نام اور اشعار کی تعداد بتاتے ہیں -

اس خوش نامہ دھریا نام دوھا ایک سو ستر

هندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں - مثلاً یہ دنیا اس کی سسرال ہے اور عالم آخرت اس کا میکا ہے - اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں - اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیز ہے جس کے لئے یہ نظم لکھی ہے - اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے - دوسری لڑکیوں کی کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے -

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ھاتوں کایا
کہے منجھ سیر سہاگ اللہ کا چھوڑ رھیا سہا وا
اب کیوں سر سہاوے دو جاتم کو ناھیں تھاوا
اُس کے رنگوں رنگی ساری دوجا رنگ نہ بانی
اُس کی باسا ھم کو باسا پھول پھو کت کی آنی
ایسی باتھں کرے گنو نتی مورکھ بو جھیں سدہ
یہی من میں آوے اپنے چھند سوھی سکھاویں بودہ

جب لوگ اُسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ھیں تو وہ جواب دیتی ھے کہ ھمیں یہی رنگ بھاتا ھے اور ھمیں دنیا اور اُس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں -

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم آ کہیں یوں
ھم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھاوے تیوں
نا ھم ا چھیں سو کھہ سنسارا نا ھم اچھیں چاؤ
ھم تو راون لوڑیں اس سے جے ھے راون راؤ
جے نرگن گنوں کا سبن گن کوں سو بوجھے اب
پن پاپ ست دیجھے آب شہ سوں میلا ھوئے تب

اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے برے پیر کا امتیاز بیان کیا ھے —

پیر وھی جو پیرم لگاوے نور نشانی عین
منزہ کی سدہ لکھاوے جہاں دیس نہ رین

....

جس مارگ تھیں جیو سنچرے* سوھی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو مارگ تن کا ھین بچار
کریں جبھیں وہ تیرت پتن یوگ ابھاسیں دھیان
پانچو چیز ریاسوں راکھیں کیوں کر دیجیے مان
چندر سور کی ارتہ دکھاویں کریں اچنبھا جب
ذاکر ھومن دم چلاویں یہ بھی دھیان الب†
اونچت مونڈت پھریں پھوکٹ ترت کریں بیاج
تھان دیکھ جسے دیویں مان وہ بھی مورکھ فلج

....

جن کو شہوت گیراھاوا ان کوں دیسے پیر
جن کے پیر شیاطیں وے تو نا آویں گے حق دھیر

سوّر کے گل باندھیا مشک وہ کیا اس کو جانے
اُس کے تائیں سر جیا وہ سوھی پچھان مانے
یا گدھڑے‡ پر قران لاد یا یک نہ بوجھے بول
لایق اپنے کرے بیان لیہ مو کر اپنا کھول

غرض اسطرح پیروں کے صفات اور ان کے کرتوتوں کا ذکر برابر چلا جاتا ھے - آخر وہ میران جی سے عرض کرتی

---

* چلے † تھوڑا ‡ گدھا -

ھے کہ میرے حال پر توجہ کیجئے مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھ غرض نہیں ، میں تو تمھارے پریم کی پیاسی ھوں اور تم ھی سے میری آس ھے ۔ وہ خدا کی حمد کرتی ھے اور اُس سے مناجات کرتی ھے ۔

منجھ نالوڑے الوان نعمت پھوپ بر یمل * پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑائی مان
نا منجھ لوڑے پات پتنبر نہ زر زری سنگار
پھاٹی توٹی کنبلی نیکی کلھہ جپن ھار
نا منجھ لوڑے پانگ نھالی صوفے ماڑی باغ
حسرت راکھہ جیونا مرنا یہ تو کسمل † داغ
جے نہ سمایا ڈھول ملاوے کبھو نہ پرگٹ شوق
جے نہ عشقوں آنجھو ڈھالے کبھو نہ پایا ذوق

——)*(——

توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگی جیسے جیو جیون
سبکی جان سبھان تونہیں دے جے جے جسکے من
ایکس ماتی مولی دیوے ایکس ماتی باج
کیتون بھیک منگاوے کیتوں دیوے راج

* خوشبو † ناپاک ، ذلیل ۔

کیتوں پات پتنبر دیتا کیتوں سرکی لا یا

کیتوں اوپر دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھا یا

کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے سور کھ گنوار

ایک دن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار

ایک فرشتہ یک شیطاں یک چور یک ساؤ

ایک جھاڑ یک پتھر ماتی ایک اگن ایک باؤ

عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا

اسمان سور چندر تارے سب پر حکم چلایا

تجھتے ھی قدرت کوں زور' تجھتے نور نورانا

تجھتے سب کا سبھی پنا تج بن سبھیں بیگانا

تج بن کوئی نہ مار جوائے' تج بن کوئی نہ آس پوراوے

عالم اوپر بایا بھنا' کرے حکم سوں جیسا بھاوے

بہشت میانے آگ اچاوے' دوزخ کوں سکے بجھاوے

پکڑ بھکاری تخت بٹھاوے' راجے راکھی کر دملاوے

فھھندیا نکو کرے دیوانے' سوگھیانکو لیہ دوکھ میں بھانے

کر کر بندگی جرم گنواوے' پھر پڑ تیج عجب کیا رانے

مھن اس کارن بہت ڈروں ڈر کر جاؤں کہاں

جہاں جہاں میں چھپن لوڑوں توبھی تہاں تہاں

اب نہ چھپوں اب نہ ڈروں' ڈرونکو کہاں لگ ڈروں

ھمیں غریب نپائے تیرے' آس تجھے آسا دھروں

ما تا جے بالک تھے روسی جانا انہیں کہ ھر
آپ جس مارگ لاسی میران میں جاؤں تدھر

——)*(——

تو رحمان رحیمان میرا ، مہر محبت بھریا
میں تو باندی بردا تیری تیں مجھ ھاتوں دھریا
نا میں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سلکوں تھے فریاد
تیں بھی میرا لاڑ چلایا کبھوں نہ ھوا اُداس
آپ سندیسا توڑ گسائیں تیری مجھ کو آس

یہ دعا قبول ھوتی ھے اور ھاتف خوشخبری دیتا ھے ، فرشتے ادب سے حاضر ھوتے ھیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ھیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اتھتے ھیں - خوشنودی کا یہ آخری وقت ھے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ھے ، یہ نظم بڑی پر کیف اور دلگداز ھے اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا ھے وہ بہت پر اثر ھے -

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اسی قسم کا ھے - خوش یا خوشی سوال کرتی ھے اور میران جی جواب دیتے ھیں اور یہی وجہ ھے کہ

اس کا نام بھی خوش نغز ہے - اگرچہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ہیں، لیکن اسے دو ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں عرفان و روح، مراقبہ، عقل و عشق، کرامات، موحد و ملحد جیسے مضامین پر بحث کی ہے -

نظم کی ابتدا میں یہ دو شعر بطور تمہید کے لکھے ہیں —

جے ہماری ارادت کی اُن کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر اللہ یک نام
اس پر جیتا رہے صدق سوں اوتا اچھے لاب
دین، دنیا، دیدار، بہشتاں پاوے بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے - نمونے کے لئے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں -

خوش پوچھے کی کہو میرانجی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے
خوش کہے مج کہو میرانجی عشق بڑا یا بودہ
پیر کہیں میں آ کہوں بیان اس میں دھرنا سودہ

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہے جو نثر میں ہے اور حضرت میرانجی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے - اس میں دس باب ہیں جن میں توبہ، طریقت،

حقیقت، شریعت، وضو، دنیا، ترک دنیا، تجرید و تفرید، عشق، معشوق، فنا بقا اور سفر پر بحث کی ھے۔

ان ابواب میں یہ التزام رکھا گیا ھے کہ پہلے قرآن کی آیت ھو مگر وہ زیادہ تر احادیث نبوی لکھتے ھیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ھیں۔ دو تین نمونے پیش کئے جاتے ھیں۔

"کل امر ذی بال لم یبدءُ بہ بسم اللہ فہوا بتر"

پیغمبر کہے جے کچھ کام کریگا کوئی خدا کا ناؤں نہ لے کر تو او کام پائمال ھوے گا۔

"الحمد للہ رب العالمین"

سرانا نوازنا خدا کوں بہوت کہ او پالنہارا ھے عالم کا۔

"العاقبۃ للمتقین"

ھور اس عالم میں خوبیاں دیوے گا کہیا ھے، اپس کوں پچھانے لوگاں کو ھور پرھیزگاراں کوں۔ "پیغمبر علیہ الصلوۃ کہے خدا کی آشنائی جسے کوئی بوجتا ھے، انو کیاں توں رہ کر انو تھے بوج، انو تھے توں سن ھور چپ نکواچہ۔ اس چار باتاں کا پند ھے۔ یوں شریعت میں پہلے پاؤں رکھہ کہ طریقت شریعت منج ھے"۔

خدا کہیا" تحقیق مال اور پنگڑے تمھارے دشمن ہیں، چھوڑ دیو دشمناں کوں اے کیسا غفلت ہے جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تھے تجھے بسرا کر"—

شاہ میرانجی کا خاندان بھی عجب با برکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے اور پڑ پوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم ہے۔ یہاں میں صرف ان کے بیٹے اور پوتے کا ذکر کروں گا—

شاہ برہان الدین جانم

شاہ برہان الدین جانم حضرت میر انجی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی لیکن اُن کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود (۹۹۰) ھجری بتایا ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا انتقال اس سنہ کے بعد ہوا ہے۔ میرے پاس اُن کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ہیں جو تصوف و سلوک پر ہیں۔ ان کا کلام میرانجی کے لگ بھگ ہے مگر اس سے کسی

قدر صاف ھے اور اس میں شاعرانہ ذوق بھی کسی قدر زیادہ ھے - میں اس موقع پر اُن کی تصانیف کا مفصل ذکر کرنا نہیں چاھتا ، البتہ اُن کے کلام کے چند نمونے پیش کرنا چاھتا ھوں جن سے اُن کے کلام اور اس وقت کی زبان کا اندازہ ھو سکے —

حمد میں :—

سکتا ، قادر قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں لوڑے دیوے راہ کھیا پھدی من پشا
یہ روپ پو گت آپ چھپایا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کیوں کر سو جھے پنت
(از وصیت الہادی)

اللہ پاک منزہ ذات اس سوں صفتاں قائم سات
علم ، ارادت ، قدرت بار سنتا دیکھتا ، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات اس کوں نا ھیں کہ ممات
ایسیاں صفتاں سوں ھے ذات جوں کہ چند نا چاند سنگات
(از نسیم الکلام)

کوئی کہیں سب عشق تمام — عشق کے آنگھیں کیا ہے فہام
عشق لیا ہے سب بھر باس — عشق تھے سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجہ — معلوم نہیں کچھ اس کی سوجہ
ایک جمع سب پکڑیا بار — جونکے بیج تھے نکلیا جھاڑ
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول — شاخ برگ سب دیکھ اصول
ایک جمع کر راکھیں بار — بیج نپے کا ناہیں بھار
ایکے بیجیں بیج اپار — بیج نپے سو سگلا جھاڑ
کوئی کہے یہ دیکھ مقیم — یو سب عالم اہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوے — جیسا تیسا سمجھیا ہوے

(از معرفت الایمان)

———)*(———

گن آدم کا نہ ہاتھہ چڑھے رہے کیوں کہنا انسان
صورت پر اعتبار نرا کہیں جیسے ہیں حیوان
بلکہ ان تھے گمراہ کریوں قران میں فرمان
لوکاں یہ مت کُچھ الادی * جن بوجہ بختوں لادھی
پنتہ اکاس کا وہنگم † جانے جل کا مارگ مین ‡
سادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین §

* علیحدہ -
† پرندہ -
‡ مچھلی -
§ پہچان -

ایسا سادھو بھا گوں نہیں تو چرنا رھنا لین

لو کاں یہ مت کچھ الادی جن بوجھ بھتوں لادھی

(از سکھ سھیلا)

علاوہ ان مثنویوں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیال اور دوھے بھی لکھے ھیں جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ھے - ایک ایک مثال اُن کی یہاں لکھی جاتی ھے —

—: خیال :—

اب سندیسا مجھ ھے شہ کا
جب کب بھا گوں انتر ملے

پیر پیرم کے ھیڑے میرے
نیئنوں سانھہ جوں کنکر ملے

نس دن جاگے برہ ماری
نہ نیندا دیکھے نین پڑے

پلکیں میری آگ بلے کیوں
سپنے دیکھوں سو کھڑے

قول پیا تجھ آس لگی من
آس لگی تجھ پاس رھیں

جب کا جھانسا تیں مجھ لایا
یک تل نہ مجھے ساس رھیں

نہ کا پینا مجھ کوں لاگا
لوگ دیوانی دیکھ ھنسیں

جگ کی ھانسیں کیا مجھ ھوے
کھو سریجن کہاں بسیں

دھرا :—

جب لگ تن نہیں چھوڑ یا جیو کوں تب لگ ھونا دور

جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھ کوں تب لگ ھونا نور

جب لگ سپدا نہیں چھوڑ یا کان کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑ یا دل کوں یو جہت ھو نرال
یوں سب تن میں بر تن دیکھ چھوڑیں اے سکھ دکھ
دکھ سکھ دونوں یک کرسی تو پاوے سہج کا سکھ

آپیں جوگی سب جگ چیلا آپیں الیک ذات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا نیکی بدی کے دو مدرے بھایا
کلمہ نبی کا پندتھ سارگ لایا تن کا کنتھا کر سب چیلوں پنھایا
بندگی بھبوت کرنت اتھ لایا
یقین جوگ تدندا تکیہ خاصا اعیا کچھوتی دے بندے پاسا
اس تن کے متھ میں راول کا باسا دھرتری پتر بھر بھو جن کیتا
باتال پھوڑ واکر پانی دیتا

شاہ برہان کا کلام اگرچہ سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً

بن عشق بدہ کو سوج نہیں
اور بن بدہ عشق کی گوج نہیں
جے آپ کو کھو جیں پیو کو پائیں
پیو کو کھو جیں آپ گنوائیں

ان کا ایک رسالہ کلمۃ الحقایق نام کا

نثر میں ہے ۔ یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر بیان کئے ہیں ۔ شروع یوں کرتے ہیں —

"اللہ کرے سو ہوے کہ قادر توانا سوے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرنہار سہج سہج سو تیرا تہار و سہج ہوا بھی توج تھے بار ۔ جدھاں کچھ نہیں بھی تھا تہیں' دو چار شریک کوئی نہیں ۔ ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوے" ۔

اس کے بعد سوال و جواب شروع ہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ایک سوال جواب نقل کیا جاتا ہے —

سوال :— "یہ تن الادھا * دستا' و لیکن جیتا بکار † تو تنے نہیں بلکہ ستنتر ‡ بکار روپ دستا ہے' یک تل قرار نہیں' جیوں مرکٹ § روپ" ۔

---

* علیحدہ ۔ ‡ قلب' ماہیت ۔

† ترغیب' تغیر ۔ § بندر ۔

جواب:— "اے عارف ظاہر تن کے فعل سوں گذریا و باطن کرتب دستے۔ اس کا نانوں سوں ممکن الوجود۔ دوسرا تن سو بوی که اس کا ایندرین کا بکار * و چیشٹا کر نہارا سو وہی تن، نہیں یو خاک و سو کھہ دو کھہ بھوگن ھارا۔ جیتا بکار روپ وہی دوسرا تن، تو توں نظر کر دیکھہ، یہ تن فہم سوں گذریا تو گن اس کا کیوں رہے"—

شاہ برھان نے بھی اپنے پیر و مرشد اور والد شمس العشاق میراں جی کی طرح ھندی میں لکھنے کی معذرت کی ھے؛ اس سے ظاھر ھے کہ اُن کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ ھندی میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے۔ وہ کہتے ھیں کہ ظاھر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو۔ لفظوں کو نہ دیکھو اور معنی پر خیال کرو۔ ھندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں۔ اگر سمندر کے موتی کسی ڈبرے یا جوھڑ میں ملیں تو عقلمند آدمی انھیں کیوں نہ لے۔ فرماتے ھیں —

---

* حرکت —

عیب ذرا کہیں ہندی بول
معنی تو چک دیکھ ڈھنڈول
جو نکسے موتی سمدر سات
دابر جے لاگین ہات
کیوں نہ لیوے اس بھی کوے
سہا نا چتر جو کوئی ہوے
ہیں سہند کے موتی یو
گیان رتن کے جوتی یو

....

ہندی بولوں کیا بکھان
جے گر پرساد تھا منجھ گیان

شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ برہان کے فرزند اور جانشین امین الدین اعلیٰ ہیں، وہ بھی باپ اور دادا کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۸۶ ہجری میں ہوئی (مادہ تاریخ ختم ولی ہے)۔ ان کے نظم و نثر کے کلام سے تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے، ایک نظم محب نامہ (یا محبت نامہ) قصیدہ کے طرز میں کہی ہے مگر رنگ عاشقانہ ہے، قافیہ تو ایک ہے، مگر ردیف کہیں کہیں بدلی ہے —

تھرین نین تیرے ساحر ہوئے ہرن کوں
گمراہ کر بلاوے قوس و قزح بھوں کوں

پیچوں بھویاں زلف تج ہو جوں ڈبے بھر موں
ھر لہر پر کرشمہ عشاق کے بچن کوں
راہ صراط پل جوں سر مانگ جو چھپی ھے
کا ھے کشاں * سما پر معب بلاونے کوں
سیما عرش علامت کرسی مکت سہاوے
روشن شمع منور پروانے جالنے کوں

ایک دوسری نظم وجودیہ ھے' اس کا نمونہ ملاحظہ ھو —

نفس کا دورنا ھی اس آتھار
یو تو آھے نفس بچار
نفس کولیا و تو دم کی جا گا
لائیں ذکر نہیں تو جاوے بھا گا

آپ نے دوھے بھی لکھے ھیں' ایک دوھے میں کہتے ھیں -

مرنا ھار' جیونا بسار
جیونا ھار' مرنا بسار
سو دہ سریجن کی دیکھہ بچار
لال سریجن دیکھن پاوے
آپس میں دیکھہ آپ گنواوے
من رآنی حضرت قول بھواوے (وغیرہ)

---

* کہکشاں -

بعض دوھوں میں عربی لفظ کثرت سے آگئے ھیں، لیکن ایسے دھرے بہت کم ھیں —

بنی پر گت ذات ظہور ھے
معشوق حق اللہ نور، علی نور ھے
حقیقت حقایق ذات کمال ھے
صورت معنی ذوالجلال ھے

ان کی بعض غزلیں بھی ملی ھیں، ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں لکھی ھے، باقی دکنی اردو زبان میں ھیں --

شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ھیں، ان کی نثر کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ھیں —

"اللہ تعالی گنج مخفی کو عیاں کرنا چاھا تو اول اُس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھہ ھوا۔ امین شاھد کہتے ھیں یو دونوں ذات کے دو طور ھیں۔ ذات نے اپس کو دیکھا، اُسے نظر کہتے ھیں۔ دیکھکر گواھی دیا تو اُسے شاھد کہتے ھیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ھیں" —

ان کے علاوہ شاہ صاحب کی تصنیف سے

متعدد رسالے ہیں۔

اس خاندان کے مریدوں نے بھی تالیف و تصنیف میں وہی روش اختیار کی جو ان کے مرشدوں کی تھی - از انجملہ ایک بزرگ سید میران حسینی شاہ امین الدین علی کے مرید تھے - یہ حیدرآباد دکن کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں - کسی ضرورت سے بیجاپور گئے تو شاہ امین الدین اعلیٰ سے بیعت کی اور باقی عمر راہ حق میں گزاری یہ کئی رسالوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب شرح تمہید ہمدانی ہے جو "تمہیدات عین القضات" کا ترجمہ ہے - اصل کتاب کے مصنف عبداللہ بن محمد المیانجی ملقب بہ عین القضات ہمدانی ہیں' جو سنہ ۵۳۳ ہجری میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کئے گئے - شاہ میران حسینی کا انتقال ۱۰۷۴ ہجری میں ہوا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس سنہ سے قبل کی تالیف ہے - میرے ایک نسخہ میں سنہ کتابت ۱۰۶۷ ہجری لکھا ہے - اس لحاظ سے یہ کتاب اردو کی قدیم نثر کی کتابوں میں خاص درجہ رکھتی ہے کیونکہ علاوہ

چند مختصر رسالوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس سے قبل نثر میں صرف وجہی کی سب رس پائی جاتی ہے۔ اس کی عبارت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"اے عزیزاں! اے بات نہیں سنیاں۔ بادشاہاں گھوڑا مستعد کئے باج نہیں سوار ہوتے، ہور گھوڑے میں کچ کھوڑ اچھے تو بھی نہیں قبول کرتے۔ یعنے پیر کے عشق میں پختا ہوے باج خدا کے عشق میں نا آسک سی ہور دیکھ نا سکسی۔ اگر عشق خالق نداری بارے عشق مخلوقے مہیا کن۔ اس کا معنا، خدا کی پچھانت کا بل نہیں تو اول اپنی پچھانت کر۔ سوا اے بات یوں ہے کہ آفتاب کا ذات نوازنہارا ہے اور اس کا اجالا جالنہارا ہے۔ یعنے دوست سو نواز نہارا ہور خوبیاں دینہارا۔ ولے اس کا محبت اُسے دگداتا ہے یعنے معشوق کا محبت عاشق کو گالتا ہے اُس کے فراق میں"۔

ان کی اولاد اور مریدوں میں کئی شخص بہت اچھے شاعر ہوے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت

یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

اب میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کو بیجاپور سے گجرات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ گجرات کا تعلق دہلی سے سلطان علاءالدین خلجی کے عہد سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس نے سنہ ۶۹۶ ہجری میں اپنی فوج بھیج کر اس علاقہ پر تسلط کرلیا اور اپنی طرف سے صوبیدار مقرر کر دیا۔ یہ صوبیدار سلطنت دہلی کی طرف سے برابر مقرر ہوتے آئے یہاں تک کہ جب دہلی پر تیمور کا لشکر پہنچا اور سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو صوبیدار ظفر خان کے بیٹے تاتار خان نے خود اپنی حکومت گجرات میں قائم کرلی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا (سنہ ۸۰۶ ہجری)۔ شاہان گجرات کی حکومت اکبر کے عہد تک رہی۔ اس کے بعد گجرات کا صوبہ سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا۔ عرض دہلی کا اثر اس علاقہ پر امیر خسرو کے زمانے سے تھا اور وہاں کی زبان کا اثر جو اس علاقے کی زبان پر پڑا وہ نہ صرف اس وسیع صوبے کے شہروں تک محدود رہا بلکہ سلطنت بیجاپور اور دور و نزدیک کے مقامات میں بھی پہنچ گیا اس کی شہادت ان بزرگوں اور شاعروں کے کلام میں

موجود ہے جو اب تک موجود ہے۔

یہاں میں صرف اُن دو تین صاحب تصنیف بزرگوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے اردو کی شاخ گجری یا گجراتی میں اپنا نغمہ سنایا ہے۔

ایک ان میں سے شاہ علی محمد جیو گام دھنی ہیں۔ آپ کا مولد و منشا گجرات ہے۔ آپ گجرات کے کامل عارفوں اور درویشوں میں سے ہیں۔ اہل گجرات پر آپ کی تعلیم و ہدایت کا بہت اثر تھا۔ آپ کا انتقال سنہ ۹۷۳ ہجری میں ہوا۔

آپ کے کلام کا مجموعہ جو ”جواہر اسرار اللہ“ کے نام سے موسوم ہے آپ کے دادا کے ایک مرید اور آپ کے معتقد شیخ حبیب اللہ نے جمع کیا ہے۔ اسی کلام کا دوسرا نسخہ آپ کے پوتے سید ابراہیم نے مرتب کیا ہے۔ شاہ علی جیو بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔ ان کا کلام توحید اور وحدت وجود سے بھرا ہوا ہے اور اگرچہ وحدت وجود کے مسئلے کو وہ معمولی باتوں اور تمثیلوں میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بیان اور الفاظ میں پریم کا رس گھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہے اور اپنی محبت کو طرح طرح سے جتاتے ہیں۔ طرز کلام ہندی

شعرا کا سا ھے اور عورت کی طرت سے خطاب ھے - زبان سادہ ھے لیکن چونکہ پرانی ھے اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گئے ھیں اس لئے کہیں کہیں سمجھنے میں مشکل پڑتی ھے۔ چند آسان نمونے پیش کرتا ھوں -

تم ری پیا کو دیکھو جیسا ھور جیوں پر تھو سائیں ایسا
سوے تمہیں ھو ناں وہ ایسا

ایک سہند سات کہا وے
دھو نوس، بادل، میہ برساوے
وھی سہند ھو بوند وکھالے
ندیاں نالے ھو کر چالے

پیو ملا گل لاگ رھی جے
سکہ سنہ دکہ کی بات نہ کیجے
(میں)

جے ھے سو ھے نہیں نہیں
چھت ایک وھی ھے سہو کہیں

کہیں سو مجنوں ھو بر لاوے
کہیں سو لیلیٰ ھوے دکھاوے

کہیں سو خسرو شاہ کہاوے
کہیں سو شیریں ہوکر آوے

ادھر* پنوالی† چک‡ رتنا لی§
بیٹھی باسک¶ ہور قل کالی
ایہہ جیو مانگیں بھویں دمالی$

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں
آپیں آپس لے گل لاؤں

بھیس بندوں کے کرسو بندگی اوبھا* *ہو ہو نماز گذاروں
ہوں حاجی ہوں کعبہ آھوں آپیں آپس اوپر واروں

کبھیں سو ہوے اندھیاری راتا
سانج بتی کر لاوے دھاتا
ہو کر دیورا راتیں ساری
لاکر جوت دکھاوے ساری

---

* ہونٹ † پان کھائے ہوئے ‡ آنکھہ § سرخ ¶ سانپ
$ دنبالہ دار * * اُٹھہ اُٹھہ کر ۔

کہیں سو عاشق ہوکر راؤں کہیں عارت ہوے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نجانوں

جو جیو ترا پیو سوں لا گا هیئے جس نیه کی آ گا
تنہوں کا لو جه سب بھا گا

جنہوں من پرم کا بھتکا قلبیں تل نیه کا کھتکا
سو جانے مرم کا لٹکا

دوسرے بزرگ میاں خوب محمد چشتی هیں۔ یه بھی احمد آباد گجرات کے رهنے والے تھے اور ان کا شمار وهاں کے بڑے درویشوں اور اهل عرفاں میں ہے۔ خصوصاً تصوف میں دست رسا رکھتے تھے؛ صاحب تصانیف اور صاحب سخن تھے۔ آپ کی ولادت سنه ۹۴۶ هجری میں اور وفات سنه ۱۰۲۳ هجری میں هوی۔ "خموش" سے تاریخ ولادت اور "خوب تھے" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

تصوف میں ان کی کئی کتابیں هیں۔ ان میں سے بعض میرے پاس هیں۔ ایک رساله " بھاؤ بھید " صنایع بدایع کلام میں ہے۔ چنانچه خود فرماتے هیں " گفته

صنایع بدایع را بزبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم، امید بحضرت صانع و بدیع چنانست کہ مقبول گر داند۔ دوهره :—

حمد خدا کی خوب کر کہ صلوۃ رسول
پچھیں صنعت شعر کی کہے تو ہوے قبول

اما بعد ایں رسالہ بخطاب "بھاؤ بھید" مخاطب شدہ است در بیان تلونات کلام و انواع مفہومات نظام۔ دوهره :-

بھاؤ بھید اس نانو کر بات بکت سمجھا ٹن
بھاؤ بھید کے شعر کے خوب جو تجہ آپ آئن

اگرچہ تشریح هر صنعت کی فارسی میں کی هے لیکن اس کا مفہوم گجراتی اردو میں بھی ادا کیا هے، مثالیں گجراتی اردو میں هیں اور یہ تمام مثالیں منظوم اور خود اپنی تصنیف سے هیں - دو مثالیں ملاحظہ هوں ۔

صنعت متضاد، آنست کہ الفاظ چند ضد یدیگر باشند، مثال —

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اُسے کہیں جگ مانہ
بھلا برا ہو قہر یا دیکھو سہل فہیل اس تھا نہ

عقدہ :- تین پائیں دی رج بسلاے باد بھرا کے اک کلال
خوب ملیں صندلی رنگ نیلے پیلے گالے لال

صنعت تفریق تنہا - آنست کہ میان دو چیز جدائی افگند مثال -

میں خوب تفریق تنہا پچھان
جدائی دو ہوں سادہ اس بھانت آن
کنول مکہ جمل بن جدای ایک بات
کنول دیس پھول سے نین یہ دیس رات

ان کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب "خوب ترنگ" ہے - جس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود اسی تصنیف میں بتادیا ہے "چودہ گھات اوس برس ہزار" یعنے نوسو چھیاسی ۹۸۶ ھجری - خوب ترنگ خالص تصوف کی کتاب ہے - شاہ علی محمد جیو کی کتاب "جواہر اسرار اللہ" اس سے مختلف ہے - اس میں عشق و محبت کا رنگ ہے اور قلبی واردات کا ذکر ہے - خوب ترنگ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ہے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں تصوف کے مقامات کا بیان ہے - میاں خوب محمد عالم اور سالک ہیں تصوف کے نکات کے ماہر اور بہت اچھے ناظم ہیں - انھوں نے اپنی اس کتاب کی شرح فارسی میں "امواج

خوبی" کے نام سے لکھی ہے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

حمد و نعت

بسم اللہ کہوں چھت ذات
جس رحمان رحیم صفات
ذات صفات اسما افعال
جمع مفصل چند اک حال
نانو محمد تس کو دیت
آس تفصیل سو عالم کیت
اوسی روح ارواح تمام
اسی جوس* کے سب اجسام

جوں کھلہلیا سمند چھپا ہے
جانے سب دریا لے جاے
نوک نمھیں دریا بن پار
بھرے تو نوکچ کی مقدار

---

* جثہ۔

جیوں ظاھر بھنتیاں کہلائیں
پن اینتاں اس بھانت دکھائیں
ذرے مسل اک تو لا * تھا نہ
نانوں دھر یا ھے اینت سو تا نہ
جوھر عرض سو ذرہ جان
تلتل پھرے عرض من آن
جس کو وھم کرے نہیں دوئے
ڈاوا † جہنا ‡ جسے نہ ھوے

بابا شاہ حسینی معروف بہ پیر بادشاہ بھی ایک بزرگ ھوے ھیں جو صاحب دیوان ھیں اور حضرت شاہ علی جیو کے مرید و معتقد معلوم ھوتے ھیں ۔ دیوان کے خاتمے پر شاہ صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ھے :—

شاہ علی جیو جگ پرورتم ھو سبرے لال
نازک نہال ھے شاہ حسینی راکھو تم سنبھال
دنیا فانی سراب کی نالاگی اس کو جھال

---

* مجہوعہ ۔ † بائیں ۔ ‡ دائیں ۔

ان کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے ۔

اُس صاحب ثنا سوں دیکھو جب صدا ہوا
ہر عہد تھے جواب سو قالو بلا ہوا

غزل

رو بُرو ہے شہر درسن بے نقاب
دیک ناسک بولتے ہیں در حجاب
تس اوپر رکھتے ہیں خواہش دید کی
دیہ کر آپس کا مانند حباب
اس عبادت بیچ نہیں ہے حق رسی
حوض مسجد کا کریں پانی خراب
حق رسی کی ہے عبادت عین دید
جوں صنم کا مبتلا مست شراب
دل ترا زآب ریا ظاہر منے
پھر استنجا رہیں در پیچ و تاب
گھر سے نکلیں رہ گزر کی دید کوں
وقت جاتا گر جماعت کا شتاب
طعنہ زن نیں ہے حسینی بر عباد
دل سیں کرتا ہے اپس کے یوں خطاب

میں نے اس مضمون میں گیارہ صدی تک کے اہل اللہ اور صوفیا کا ذکر کیا ہے - بعد کے بزرگوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ گیارھویں صدی اور اسکے بعد یہ زبان عام ہو گئی تھی اور اُس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا ہو گئے تھے —

گجرات و بیجاپور کے بزرگون کے سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کرنی چاھتا ھوں کہ دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اسکی دو شاخیں ھو گئیں - دکن میں گئی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو وھاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی - ھم ابھی دیکھہ چکے ھیں کہ شاہ میرانجی اور شاہ برھان نے ھندی میں لکھنے کی معذرت کی اور جس زبان میں انھوں نے نظمیں تحریر فرمائی ھیں اُسے ھندی سے موسوم فرماتے ھیں - یہاں ھندی کا لفظ فارسی کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے - عام طور پر ھر دیسی زبان ھندی کہی جاتی تھی - یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف ہے ایک مدت تک

ھندی ھی کے نام سے موسوم رھی، چنانچہ میر تقی، میر حسن یہانتک کہ مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینان ھندی اور سخن گویان ھندی کے تذکرے کہتے ھیں -

لیکن ایک عجیب بات یہ ھے کہ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے (شاہ میرانجی اور شاہ برھان) جو ھندی میں لکھنے کی معذرت کرتے ھیں دوسرے مقامات پر اپنی زبان کو گجری یا گجراتی کہتے ھیں - چنانچہ شاہ برھان اپنی کتاب "کلمۃ الحقائق" میں فرماتے ھیں :—

"سبب، یو زبان گجری نام این کتاب کلمۃ الحقائق"

اپنی ایک دوسری تصنیف "حجۃ البقا" میں لکھتے ھیں :—

جے ھووین گیان بچاری نہ دیکھیں بھاکا گجری
جس ارتھوں کیر افہام کیا بولوں سو ھے کام

یہی بزرگ اپنی ایک دوسری کتاب "ارشاد نامہ" میں کہتے ھیں :—

یہ سب گجری زباں کر یہ آئنہ دیا نہاں

شاہ علی محمد جیو کے کلام جواہرالاسرار کے مرتب شیخ حبیب اللہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "بہ لسان درر بار و جوہر نثار بہ الفاظ گوجری بہ طریق نظم بزبان مبارک خود فرمودند" - شیخ خوب محمد بھی اپنی کتاب کی زبان کے متعلق فرماتے ہیں :—

جیوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات

"جیوں میری بولی منہ بات" کا مطلب یہ ہے کہ وہ بولی جو میرے روز مرہ کی بول چال ہے اس کی شرح "امواج خوبی" میں یوں کی ہے "ہریک شعرے بزبان خود تصنیف کردہ اند ومیکنند، من بزبان گجرات کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است گفتہ ام" یعنی ان کی زبان وہ ہے جس میں گجراتی کے ساتھہ عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے۔ اس آمیزش کا نام ریختہ ہے -

"باؤ بھید" کی تمہید میں لکھتے ہیں "صنائع بدائع را بزبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم" -

ایک دوسری جگہہ لکھتے ہیں :—

جیوں دل عرب عجم کی بات

سن بولے بولی گجرات

یہاں بھی اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے -

شاہ برھان کا ایک جگہ اپنی زبان کو ھندی کہنا اور دوسری جگہ گجری کہنا بظاھر تضاد معلوم ھوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں - ھندی عام ہے یعنی وہ زبان جو ھر جگہ مستعمل تھی ھندی ھی کے نام سے موسوم تھی - گجری اور گجراتی خاص ہے یعنی وہ زبان جو گجرات اور اُس کے قرب و جوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی اور جس میں کچھ مقامی لفظ بھی داخل ھوگئے تھے - زبان ایک ہے ' دکن میں دکنی کہنے لگے اور گجرات میں گجری اور گجراتی - فرق صرف اتنا ہے کہ اُن میں کہیں کہیں مقامی رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہے -

اگرچہ میرانجی شاہ اور برھان شاہ اپنی زبان کو گجری بھی کہتے ھیں لیکن ان پر گجراتی کا اتنا اثر نہیں جتنا شیخ علی محمد یا میاں خوب محمد کی زبان میں پایا جاتا ہے - وہ لوگ پھر بھی گجرات سے دور تھے اور یہ دونوں صاحب خاص احمد آباد گجرات کے رھنے والے تھے اور اسی لئے

ان کے ھاں بہت سے ٹھیٹ گجراتی لفظ استعمال ھوے ھیں جو بیجا پوری بزرگوں کے کلام میں نہیں پائے جاتے - مثلاً ھوں بمعنی میں (ضمیر واحد متکلم) ڈوسی (ڈوشی) بمعنی بڑھیا؛ اونڈا، گہرا؛ چھولی، چھوٹی موج؛ ھب یا ھبیں (ھوے)، اب؛ جھٹا، دایاں؛ پپوٹے (فوفوٹے) حباب وغیرہ - محض اس ذرا سے فرق کی بنا پر اسے گجراتی کا نام دے دیا گیا تھا -

میں نے آپ کے سامنے آٹھویں نویں اور دسویں صدی اور ایک دو گیارھویں صدی کے زمانے کے نمونے پیش کئے ھیں - یہ سب صوفیہ کے کلام میں سے انتخاب کئے گئے ھیں - آپ نے ملاحظہ کیا ھو گا کہ قدما کے اقوال جو کسی خاص سوال کے جواب میں یا معمولی گفتگو میں آئے ھیں وہ خالص ھندی میں ھیں - اُن میں شاذ و نادر فارسی عربی لفظ نظر آتے ھیں - ابتدائی کلام بھی سادہ ھندی ھے خصوصاً جو صوفی سماع کا ذوق رکھتے تھے - اور شاعر بھی تھے ھندی دوھرے اور خیال وغیرہ اُسی زبان میں کہتے تھے - لیکن اُن میں بھی کبھی کبھی اپنے ھاں کے عارفانہ الفاظ داخل کر دیتے تھے - جب اُنھیں اپنے مریدوں اور معتقدوں کی ھدایت کے لئے

نظم و نثر میں رسالے لکھنے کی ضرورت پڑی یا معرفت و سلوک میں سوالات کے جواب لکھنے پڑے تو وہ اپنی مذہبی اصطلاحات ہندی تصوف کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بے تکلف استعمال کرنے لگے - یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی عربی کے خاص الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ بھی بے ساختہ لکھ گئے ہیں - اس رواداری سے اُن کی غرض یہ تھی کہ ان کی ہدایت عام اور وسیع ہو - جس طرح انھوں نے ملک کے حالات کے لحاظ سے بعض ظاہری قیود کو توڑ کر اہل ملک سے ارتباط اور میل جول بڑھانے اور اُنکو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اسی نظر سے اُنھوں نے اُنکی اور اپنی زبانوں کو بھی ملانا شروع کیا - اُنکی نظموں کی بحریں (اکثر و بیشتر) ہندی ہیں، طرز بھی نظموں کا ہندی ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی ہندی دیو مالا کی تلمیحیں اور استعارے بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنی چیزوں کو بھی ملاتے جاتے ہیں - ہوتے ہوتے اس میل اور ارتباط سے خود بخود ایک نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی نہ فارسی، بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے ہم اب اردو یا ہندوستانی کہتے ہیں -

یہ لوگ اپنی نظموں میں عروض و قافیہ اور نظم کے اصول و قواعد کی پروا نہیں کرتے - اکثر مصرعہ کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں (جیسے سر کو سیر اور فکر کو فکیر) - ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کرلینا اُن کے ہاں کوئی بات نہیں - اشباع و امالہ، ترخیم و تخفیف کا بلا تکلف استعمال کر جاتے ہیں - قافیہ میں صرف صوت کا خیال کرتے ہیں - بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آوازیں بھی ایک نہیں تو بھی بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں مثلاً خالق کا قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہو سکتا ہے کہ ہندی میں ق اور ک کی آواز میں چنداں فرق نہیں کیا جاتا لیکن عارف کا صادق، فرق کا طرف، عشاق کا کشاف، شرف کا فرق، انصاف کا پاس قافیہ کیونکر ہو سکتا ہے - یہ بزرگ اس کی پروا نہیں کرتے - جن عربی الفاظ کے آخر میں ح اور ع آتے ہیں اُن میں ان حروف کا تلفظ اکثر اہل ہند نہیں کرتے - اسی بنا پر بعض بزرگوں نے گرو کا قافیہ شرو (شروع) اور صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے - وہ ان چیزوں کا اس لئے خیال نہیں کرتے تھے کہ اُنھیں اپنا کلام اور اپنی ہدایت عوام تک پہنچانی تھی اور یہ سب چیزیں انھیں کی زبان میں اُنھیں

کے لئے لکھتے اور کہتے تھے۔

ہندی یا اس نو مولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ صوفی ظاہری ننگ و عار سے بالا ہوتا ہے۔ اُس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سی حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے بڑے کام نکل سکتے ہیں۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ اُنکی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعر و سخن مذہب و تعلیم اور علم و حکمت کے اغراض کے لئے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔

یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم اُن کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ اُن کی غایت ہدایت تھی۔ لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بعہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور اُنکی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی

جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہوگئی۔ گو یہ اب ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ اُن کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

حضرت کبیر | میں اس مضمون کو حضرت کبیر کا ذکر کئے بغیر ختم نہیں کر سکتا۔ یہ بنارس کے رہنے والے تھے ان کے زمانے کے متعلق بہت کچھہ اختلاف ہے۔ ابوالفضل اور دوسرے مورخوں نے انھیں سکندر لودھی کا ہمعصر بتایا ہے جو دسویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔ کبیر سچے صوفی اور عارف ہیں۔ انھوں نے معرفت الٰہی، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر خوب خوب نظمیں لکھی ہیں۔ وہ ریا اور ظاہر داری کے سخت دشمن ہیں اور شیخ و برہمن دونوں کو یکساں لتاڑتے ہیں۔ وہ شاعر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں۔ انکے کلام میں سادگی اور شیرینی ہے اور اس کے ساتھہ ہی اثر، جدت اور زور بھی ہے۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین کو اپنی روز مرہ کی سادہ زبان میں معمولی تمثیلوں اور تشبیہات و استعارات کے ذریعے اس خوبی اور صفائی سے بیان کر جاتے ہیں کہ دل پر چوٹ لگتی ہے۔ وہ بہت دلیر اور جری بھی ہیں اور کڑوی سے کڑوی

بات کو صاف صاف بے دھڑک کہہ جاتے ھیں۔ لاگ لپیٹ ان میں نام کو نہیں۔ وہ جو کہتے ھیں ڈنکے کی چوٹ کہتے ھیں اور کسی کی مروت نہیں کرتے اور ھندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے ھیں۔ اُن کے کلام اور زبان کی سادگی و تاثیر اور صداقت و خلوص نے اُنھیں دونوں فرقوں میں یکساں مقبول بنادیا ھے۔ ھندو اُنھیں کبیر داس اور مسلمان شاہ کبیر کہتے ھیں۔ اُن کی زبان جیسا کہ اُن کا وطن بتاتا ھے اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ھیں، پوربی ھے۔

میری بولی پوربی تاھی نہ چینھے کوی
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ھوی

لیکن ان کی پوربی گوسائیں تلسی داس یا ملک محمد جائسی کی سی پوربی نہیں کہ جن کے کلام کے سمجھنے کے لئے شرح کی ضرورت ھے۔ کبیر کا کلام جنوبی ھند کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر ھندوستان کے ھر حصے میں آسانی سے سمجھا جاسکتا ھے۔ تلسی داس اور ملک محمد جائسی کی زبان پرانی اور مردہ ھوجائے گی لیکن کبیر کا کلام ھمیشہ تازہ اور ھرا بھرا رھے گا۔ یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ھجری

میں ہندوستان کے تقریباً ہر خطے میں بولی یا سمجھی جاتی تھی اور اسے ہندوستان کی عام زبان ہونے کا فخر حاصل تھا - حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ان دونوں کی زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کردیا ہے - یہیں سے اردو یا ہندوستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اُس زبان کے اولین بانیوں میں سے ہیں جو ہندوستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہے - بلا شبہ اُن کے خیالات اعلیٰ اور اُن کا خلوص بے ریا ہے اور ایسے شخص کا اثر ہونا لازم ہے - لیکن اُس کی زبان نے اُس کے اثر کو زیادہ گہرا کردیا - اُن کی سادگی میں حلاوت پیدا کردی ہے اور انکی محبوبیت اور مقبولیت کو دہ چند کردیا ہے - وہ عربی فارسی الفاظ بلا تکلف اور بڑے موقعہ سے استعمال کرتے ہیں اور اب بھی کئی سو برس کے بعد جب ہم اُن کا کلام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ہمارے زمانے کا شخص ہے - یہ پھل اس پیڑ کا ہے جو انہوں نے ہندی پر فارسی کی قلم باندھ کر لگایا تھا - کلام کا نمونہ ملاحظہ کیجئے -

(۱) رهنا نہیں دیس بیگانا هے

یه سنسار کاگد * کی پڑیا

بوند پڑے گُھل جانا هے

(۲) بہت دنن بچھڑے هری پائے

بھاگ بڑے گھر بیٹھے آئے

(۳) جاگ پیاری اب کا سووے

رین گئی دن کاهے کھووے

(۴) مرے تو مرجائیے چھوٹ پڑے جنجار †

ایسا مرنا کو مرے دن میں سو سو بار

(۵) کبیر یه گھر پریم کا خاله کا گھر ناهیں

سیس اُتارے هاتھه سے سو پیٹھے گھر ماهیں

(۶) ایسا کوئی نا ملے جاسوں رهئے لاگ

سب جگ جلتا دیکھئے اپنی اپنی آگ

(۷) میٹھا کھاں مدھو کری بھانت بھانت کو ناج

دعوی کس هی کا نہیں بنا ولایت راج

(۸) کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار

پونچھه تو پکڑے بھیڑ کی اترا چاهے پار

(۹) کبیر نوبت آپنی دس دن لیهو بجاے

اے پور پٹن اے گلی پھیر نه دیکھو آے

---

* (کاغذ) ۔ † (جنجال)

(۱۰) میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ھے سو تیرا
تیرا تجکو سونپتے کیا لاگے میرا

(۱۱) کبیر سکھ کو جاے تھا آگے آیا دکھ
جای سکھ گھر اپنے ھم جانیں اور دکھ

(۱۲) کبیر ایک نہ جانیا تو بہو جانیا کیا ھوے
ایک ھی تیں سب ھوت ھے سب تے ایک نہوے

(۱۳) ھاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس
سب تن جلتا دیکھ بھیا کبیر اُداس

(۱۴) کبیر حد کے جیو سوں ہت کر مکھوں نہ بول
جے لاگے بے حد سوں تن سوں انتر کھول

(۱۵) کبیر ناؤ ھے جرجری کوڑے* کھیون ھار
ھلکے ھلکے تر گئے بوڑے† جن سر بھار

(۱۶) سکھیا سب سنسار ھے کھاے اور سووے
دکھیا داس کبیر ھے جاگے اور رووے

(۱۷) کبیر بھاٹی کلال کی بہت ایک بیٹھے آئے
سر سونپے سوی پئے نہیں تو پیا نہ جائے

(۱۸) چلو چلو سب کوئی کہے موھی اندیسہ اور
صاحب سوں پرچا نہیں جائیں گے کس ٹھور

---

* بیوقوت - † ڈوبے -